بسم اللہ الرحمن الرحیم

آثار کاکو

مصنفہ

سید شاہ غفور الرحمٰن حمد کاکوی (علیہ الرحمۃ)

متوفی ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

مرتبہ

سید شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی

اس کتاب کی اشاعت میں بہار اردو اکادمی کی مالی اعانت شامل ہے

نام کتاب ـــــــــ آثار کاکو

تعداد اشاعت (طبع اوّل) ـــــ ۱۰۰۰ جلد

تاریخ اشاعت ـــــــــ جنوری ۱۹۸۶ء

مطبع ـــــــــ دی آرٹ پریس سلطان گنج پٹنہ ۶

ناشر ـــــــــ عطا کاکوی ۔ مرتب کتاب ہذا

قیمت ـــــــــ ۳۵ روپے =/35 Rs

ملنے کا پتہ

گل مہر پبلی شنگ ہاؤس سبزی باغ ۔ پٹنہ ۴

اِنتسابُ

حضرت مصنف علیہ الرحمتہ کو جو بے پناہ عقیدت وارادت مخدومہ بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال قدس سرہا کی روح پرفتوح سے تھی اس کا اقتضا ہے کہ یہ تصنیف حضرت مخدومہ پاکدامن کی ذات والا صفات سے انتساب کا شرف حاصل کرے۔ جن کا فیض آج بھی ساری بستی اور اطراف واکناف میں جاری ہے

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مرتب کتاب ہذا بھی اس فیض سے شرف سعادت حاصل کرکے فخر ومباہات محسوس کرتا ہے۔

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

(مرتب)
عطا کاکوی

فہرست

مضمون	صفحہ
عرض مرتب	۹
دیباچہ	۱۵
بستی کاکو	۱۷
آتش زدگی	״
نسب نامہ بی بی کمال	۱۸
نسب نامہ حضرت سلیمان لنگر زمیں	۱۹
بی بی کمال	״
فیروز شاہ کا ورود کاکو میں	۲۰
حضرت بی بی کمال کا زمانہ	״
حضرت شہاب الدین پیر جگجوت	۲۲
حضرت جگجوت کی صاحبزادیاں	۲۴
کاکو کی قدامت	۲۵
موضع یالی	۲۶
وجہ تسمیہ کاکو	۲۷
بہار میں مسلمانوں کا تسلط	۲۸
حضرت بی بی کمال کا ورود	۲۹
بستی کا رقبہ	۳۰
بستی کی آبادی	۳۲
بستی کے متعلق دو کہاوتیں	۳۳
بستی کے محلے	۳۴
حلقہ درگاہ شریف	۳۵
درگاہ شریف کی مرمت	״
جدید تعمیرات	۳۶
تعمیرات میں دوسروں کی شرکت	۳۹
درگاہ کا بیرونی پھاٹک	۴۱
درگاہ کے اردگرد مزارات	۴۲
درگاہ کی تولیت	۴۳
درگاہ کی جاگیر	۴۴
روغنی اینٹ	۴۵
حضرت مخدومہ کا عرس	״
کڑاہ	۴۷
درگاہ کے اندر حلقے کا دروازہ	۴۸
حضرت مخدومہ کے شوہر اور اولاد	۴۹
ایک غلطی کا ازالہ	۵۰
بی بی دولت دختر معروف بی بی کمال ثانی	۵۱
قطعہ تاریخ تعمیر درگاہ بار دیگر	۵۳

مضمون	صفحہ
قطعہ تاریخ تعمیر صحت کن باردیگر	۵۵
مدرسہ حنفیہ	۵۷
اسکول دور اوّل	۵۹
مطبع اور اخبار	۶۰
اسکول دور دوم	۶۲
ہائی اسکول	۶۳
مسجد قدیم پختہ	۶۴
مسجد نو کی بنیاد	۶۵
مدرسہ جدید	۶۷
ڈاک خانہ	۶۷
مکتب خانہ زنانہ	۶۸
مجلس اخوان الصفا	۶۹
خانقاہیں	۷۰
بڑا بازار۔ چھوٹا بازار	۷۲
ہاٹ	″
میلہ غازی میاں	۷۳
عید گاہ	۷۵
چاہ کلاں	۷۶
یونین بورڈ	۷۷

مضمون	صفحہ
کاکو کے مشاعرے	۷۸
محرم کی مجلسیں	۷۹
شاخ انجمن ترقی اردو	۸۱
بزم کمال اور پبلک لائبریری	۸۲
گڈھ	۸۳
بقانگر اور مدرسہ	۸۵
خزانہ آب	۸۸
مخدوم سلیمان لنگر زمین	۸۹
حضرت عز کاکوی	۹۳
سید شاہ قیام الدین رح	۹۴
سید شاہ رکن الدین رح	۹۶
خواجہ عبد القدوس	۹۸
سید ابراہیم زندہ دل	۹۹
شاہ علی اکبر دانشمند	۱۰۲
شاہ علی اکبر (برہنہ تکیہ)	۱۰۳
حضرت سلمان سیاح رح	۱۰۳
حاجی سید سلمان رح	۱۰۴
شاہ مبارک رح	۱۰۴
شاہ باگ رح	۱۰۵

مضمون	صفحہ
شاہ ارزانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۵
سید شاہ علی ارشد	۱۰۶
شاہ ناہرد رح	۱۰۷
حاجی شاہ محمد اشرف رح	۱۰۷
سید شاہ محمد شاہ رح	۱۰۸
نسب نامہ حضرت شاہ رح	۱۱۰
شجرہ نسب مابعد حضرت شاہ رح	۱۱۲
سید شاہ ملا وارث علی رح	۱۱۳
سید شاہ مردان علی رح	۱۱۵
سید شاہ محمد علی (عرف بھیکن) رح	۱۱۶
حکیم سید شاہ امیر اکبر مرحوم	۱۱۷
سید شاہ حکیم اشفاق مرحوم	۱۱۸
سید شاہ حکیم زبیر مرحوم	۱۱۸
سید شاہ نظیر حسین نسیم شاگرد داغ	۱۱۹
سید شاہ زکریا مرحوم	۱۱۹
سید شاہ غزالی مرحوم	۱۱۹
مولانا عبدالغنی رح	۱۲۱
حاجی تاتار عظیم آبادی	۱۲۱
سید شاہ ولایت حسین	۱۲۲

مضمون	صفحہ
سید شاہ علی حسین	۱۲۲
احمد و میاں احمد عظیم آبادی	۱۲۳
سید امیر حسن (کرائے پر سرائے)	۱۲۳
سید وجیہ الدین سب رجسٹرار	۱۲۳
مولوی یوسف امام (کرائے پر سرائے)	۱۲۴
مولوی تفضل حسین	۱۲۴
سید شمس الہدیٰ رئیس پٹنہ	۱۲۴
مسٹر شریف بار ایٹ لا۔ پٹنہ	۱۲۴
سید شاہ محمد حمید	۱۲۴
سید شاہ محمد فرید	۱۲۵
مخدوم شمس الدین دوانقی	۱۲۶
شیخ عبدالرحمٰن (اشہ زور)	۱۲۷
شیخ نوراللہ اور ان کی اولاد	۱۲۸
شیخ عبدالرحیم و عبدالحلیم	۱۲۹
سید شرف الدین عرف محمد ابرار	۱۲۹
شیخ تفضل حسین	۱۲۹
شیخ عبدالوہاب	۱۲۹
مولوی یوسف حسین و فخرالدین شمسی	۱۳۰
مولوی عبدالعزیز اور ان کی اولاد	۱۳۰

مضمون	صفحہ
پروفیسر مسلم، عبدالباری ساقی وغیرہ	۱۳۰
ڈاکٹر محسن، ڈاکٹر حسنین وغیرہ	۱۳۰
قاضی سید شمس الہدیٰ سنگریانواں	۱۳۱
قاضی سراج الہدیٰ (پٹنہ لاجنگ)	۱۳۱
مولوی عبدالقدوس وکیل	۱۳۲
سید شاہ عبدالواحد	۱۳۴
دیگر مزارات	۱۳۵
بینی باغ۔ خاندانی قبرستان مؤلف)	۱۳۶
سید شاہ عبدالرحمٰن (حاجی مجاہا)	۱۳۷
سید شاہ عطی اللہ (شاہ کالو)	۱۳۹
مخدوم سید شاہ حبیب اللہ	۱۴۰
سید شاہ کلیم اللہ (شاہ دھومن)	۱۴۲
راجہ شتاب رائے	۱۴۴
دیوان شاہ رفیع الدین بلخی	۱۴۴
سید شاہ اہل اللہ (شاہ کالن)	۱۴۶
میر صابر علی (محسن پوری)	۱۴۶
مخدوم سید منجھن رح (راجگیر)	۱۴۶
سید شاہ تیم اللہ رح	۱۴۷

مضمون	صفحہ
سید شاہ غلام اولیا (لبا مجکولی)	۱۵۲
بابو کنور سنگھ وامر سنگھ (جگدیش پور)	۱۵۲
میر حسین بخش (ابو پور)	۱۵۳
میر ابراہیم علی (محسن پور)	۱۵۳
سید شاہ امداد حسین رح	״
سید امیر علی رح (کھربھیا)	״
سید شاہ علی حسنین (کاکوی)	۱۵۴
سید شاہ جمیل الرحمٰن	״
سید شاہ عزیز الرحمٰن، حبیب الرحمٰن	״
سید محبوب الرحمٰن	״
خواجہ صدرالدین (جاپور)	״
میر مولا بخش (بخشی میاں جاپور)	״
بزرگان شیودھا اور انکے مزارات	״
مخدوم شاہ درویش (بیہوگیا)	۱۵۵
مخدوم اشرف جہانگیر (کچھوچھا)	۱۵۵
سید شاہ تبارک حسین رح	۱۵۵
مولوی قاسم علی وکیل (ڈیانواں)	۱۵۵
مولوی سید حسن (خسرو پور نوادہ)	״
سید آل حسن (بیرسٹر) پٹنہ	״
سید شاہ حسن عرف چھیو بسمل پٹنہ	״

مضمون	صفحہ
سید شاہ محمد مبین رح	۱۵۹
مولانا علی محمد غزنوی مرید شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۶۰
شیخ احمد اللہ الودی کٹرہ	״
سید نجم الحسین نالاں (کھربھیا)	״
حافظ نذر الرحمٰن حفیظ عظیم آبادی	۱۶۴
مولانا سعید حسرت عظیم آبادی	״
سید شاہ حبیب الرحمٰن عرف شاہ مبارک حسین	۱۶۴
مولوی محمد احسن مرحوم (ڈیانواں)	״
میر مہدی حسین حنا (کرائے برسرائے)	״
سید شاہ نور الرحمٰن عرف شاہ لعل کشمیری کوٹھی	۱۶۹
شاہ عبدالرحمٰن فضل الرحمٰن حافظ	״
عبدالمنان، خلیل الرحمٰن وفا	״
سید شاہ حاجی لطف الرحمٰن	۱۷۱
فضل امام (کلاشانہ)	۱۷۲
قاضی عبدالوحید	״
قاضی عبدالودود، سید وقر بید، خواجہ اختر حسن	״
خواجہ نظیر حسین (شاہ کی املی)	״
سید شاہ عبدالرحمٰن آبد	۱۷۳
خان بہادر سید شاہ محمد کمال	۱۷۴
سید شاہ رفیع الدین و عبدالرحیم	۱۷۷
شاہ طٰہٰ (بہار شریف)	״
سید شاہ جلال (لودی کٹرہ)	۱۷۸
سید شاہ اقبال، اختر اقبال، غضنفر اقبال	۱۷۸
مصنف کے خود نوشت حالات	۱۸۰
شاہ محمد سجاد رح داناپوری	۱۹۴
شاہ محمد اکبر رح ״	۱۹۴
مولف کا ننہالی خاندان	۱۹۶
مولف کے برادران و ہمشیران	۱۹۹
سسرالی خاندان	۲۰۰
سید شاہ ولی الرحمٰن ولی	۲۰۷
سید شاہ منظور الرحمٰن اختر	۲۰۹
سید شاہ عطاء الرحمٰن عطا	۲۱۱
یاد وطن (قطعات)	۲۱۷
ارباب کاکوے (نظم) از عطا کاکوی	۲۵۸
تعلیقات	۲۵۹
گزارش شاہ منظور الرحمٰن اختر	۲۶۵
اقتباس از سفرنامہ مظہری (کاکو ایک جائزہ)	۲۷۰
اقتباس از تاریخ مگدھ (ڈبلی)	۲۷۵
کاکو کی راتیں (مسلم عظیم آبادی)	۲۷۸
میجر جنرل کننگھم کی رپورٹ	۲۸۱
جے ڈی بگلر کی رپورٹ	۲۸۶
خاتمہ کتاب	۲۸۹
حمد کی فارسی شاعری	۲۹۴

عرض مرتب

حضرت والد ماجد سید شاہ محمد غفور الرحمن رحمۃ اللہ علیہ المتخلص بہ حمد نے اپنے وطن قصبہ کمال آباد عرف کاکو کی تاریخ اور وہاں کے آثار کے حالات کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ مرتب کیا تھا اور ان کی تمنا تھی کہ یہ تذکرہ ان کی زندگی ہی میں چھپ کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ جائے مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مصنف نے اس تاریخ لکھنے کی ابتدا ۱۳۲۰ھ سے کی۔ حالات کی جستجو اور واقعات کی چھان بین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جہاں تک مستند ماخذ مل سکے ان کی روشنی میں حالات و واقعات مرتب کیے گئے۔

کاکو ایک قدیم بستی ہے۔ بہار میں مسلمانوں کی آمد اور فتوحات سے پہلے یہاں ہندوؤں کی آبادی تھی اور قرائن بتاتے ہیں کہ یہاں کسی نہ کسی راجا کی حکومت تھی۔ بہتیرے ٹیلے اور گڈھ اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ جدید مکانات کی تعمیر کے دوران قدیم عمارات کی دیواریں اور مورتیاں کثرت سے برآمد ہوئیں اور اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

کہ یہاں کے قدیم باشندے بودھ مذہب کے پیرو رہے ہوں گے اور مہاراجہ اشوک کے زیر اثر ہوں گے۔ کاکو پاٹلی پترا (پٹنہ) اور بودھ گیا کے درمیان واقع ہے۔

مسلمان اس بستی میں کب سے آباد ہونا شروع ہوئے اس کی کوئی معین تاریخ نہیں بتائی جا سکتی۔ بہار میں مسلمانوں کی باضابطہ حکومت تو اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی (۵۹۰-۶۰۱ھ) ۱۱۹۲ء/-۱۲۰۴ء) کی فتوحات کے بعد ہوئی، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس تسلط سے پہلے ہی بہار میں خصوصاً منیر شریف اور بہار شریف میں مسلمانوں کی آمد و شد کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا اور حضرت امام تاج فقیہ کی قیادت میں منیر شریف پر جو کاکو سے صرف چودہ کوس پر واقع ہے مسلمانوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ منیر پر فتح یابی کی تاریخ ہے "دین محمد شد قوی" جس سے ۵۷۶/۱۱۸۰ء مستخرج ہوتا ہے۔ مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی نے اس سلسلہ میں کافی چھان بین کے بعد اپنی کتاب "تاریخ مگدھ" شائع کردہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے صفحہ ۹۶ تا ۹۹ پر مفصل طور پر بیان کیا ہے کہ محمد بن بختیار کی فتح سے پہلے مسلمانوں نے بہار اور منیر میں قدم جمانے شروع کر دئے تھے۔

محمود غزنوی کے بھانجے سالار مسعود غازی کے لشکر کا بنارس تک آنا ثابت ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ بہرائچ میں ان کی شہادت کے بعد بھی ان کے سپاہیوں نے مختلف مقامات پر اپنی جنگ جاری رکھی۔ جو لوگ ان جنگوں میں شہید ہوئے ان کے مزارات مختلف جگہوں پر "گنج شہیداں" کے نام سے منسوب ہیں۔ اسی طرح کا

"گنج شہیداں" منیر شریف میں بھی ہے۔ سالار مسعود غازی نے عین عالم شباب میں شاید فریضہ ازدواج کے موقع پر جام شہادت نوش کیا تھا اسی بنا پر ان کی شادی کی تقریب ہر سال "غازی میاں کا میلہ" کے نام سے منیر شریف اور کاکو میں یکساں طور پر منائی جاتی ہے۔ غالباً مسلمانوں کا ایک فرقہ جو لشکر میں "دف" بجانے کی خدمت انجام دیتا ہوگا آج بھی دفالی کے لقب سے مشہور ہے۔ یہی لوگ بڑے جوش و خروش سے یہ تقریب شادی مناتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے

سید کا حال حضرت حالی سے پوچھئے
غازی میاں کا حال دفالی سے پوچھئے

منیر شریف اور کاکو میں یکساں طور پر اس تقریب کی جو رسم آج تک جاری ہے وہ اس بات کی غماز ہے کہ مسعود غازی کے لشکریوں کی یلغار منیر شریف سے کاکو تک رہی ہوگی اور اس طرح کاکو میں مسلمانوں کے تسلط کا سراغ ملتا ہے۔

کاکو میں حضرت ہدیہ عرف بی بی کمال قدس سرہا کا مزار مرجع خلائق ہے آپ حضرت مخدوم قاضی شہاب الدین عرف پیر جگجوت کی سنجھلی صاحب زادی ہیں۔ حضرت پیر جگجوت کا مزار بہ انوار جیٹھلی من مضافات عظیم آباد لب دریائے گنگا واقع ہے اور بھی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت پیر جگجوت (فدہ ۶۶۴ھ تخمیناً) کی چار صاحب زادیاں تھیں۔ (۱) بڑی بیٹی بی بی رضیہ، جن کی شادی حضرت مخدوم یحییٰ منیری،

(ف ۶۹۰ھ) سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے چار لڑکے ہوئے۔ مخدوم شرف الدینؒ، جلیل الدینؒ، خلیل الدینؒ اور حبیب الدینؒ۔

(۲) دوسری بیٹی بی بی حبیبہؒ جن کی شادی حضرت مخدوم شیخ موسیٰ ہمدانیؒ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت احمد چرم پوشؒ ہوئے یہ فارسی کے شاعر صاحب دیوان تھے۔

(۳) تیسری بیٹی بی بی ہدیہ عرف بی بی کمالؒ جن کی شادی مخدوم سلیمان لنگر زمین کاکوی سے ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکا مخدوم شاہ عطاء اللہ اور ایک لڑکی بی بی دولت۔ (۴) چوتھی بیٹی بی بی جمال، جن کی شادی مخدوم حمیدالدین بن آدم صوفیؒ سے ہوئی جن کے بطن سے مخدوم تقیم اللہ سفید باز پیدا ہوئے۔

حضرت سلیمان لنگر زمین کے والد ماجد کا نام مخدوم عبدالعزیز منیری تھا جو حضرت امام تاج فقیہ فاتح منیر کے صاحب زادے تھے۔

حضرت بی بی کمال قدس سرہا مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی حقیقی خالہ تھیں تفصیلی حالات اسی کتاب سے ظاہر ہوں گے۔

حضرت بی بی کمالؒ کی درگاہ کاکو بستی سے تقریباً نصف میل پچھم اور آپ کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمین کا مزار بستی سے نصف میل پورب واقع ہے۔ تعجب ہے کہ دونوں کے مزارات ایک دوسرے سے اتنی دوری پر کیوں ہیں؟

جیسا کہ مصنف کتاب نے لکھا ہے بستی میں متعدد بار آتش زدگیوں کے باعث پرانے دستاویزات اور تحریرات باوجود تلاش بسیار نہ مل سکے۔ دیگر ذرائع سے مصنف نے حالات مرتب کئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سنہ ۱۳۰۲ھ میں اس کتاب کی تالیف

کی ابتدا ہوئی۔ اور ۱۳۲۵ھ میں یک گونہ اس کی تکمیل ہوئی بعد
اس کا تاریخی نام "تذکرہ" رکھا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ معلومات کا اضافہ
ہوتا گیا اور مصنف نے اس پر دوبارہ نظر ثانی کر کے مزید اضافے کے
ساتھ ۱۳۳۹ھ میں تکمیل کو پہنچایا اور اس کا تاریخی نام "ارمغان کاکو
اور آثار کاکو شریف" تجویز کیا۔ ۶۰ء تک یہ کتاب مسودے کی صورت
میں پڑی رہی۔ مصنف نے پھر اس پر مزید اضافے کئے اور بالآخر
اپنی زندگی ہی میں ۱۳۵۴ھ میں اس کو مکمل طور پر کاتب سے لکھوا کر
قطعہ تاریخ تکمیل حسب ذیل لکھا ؎

فکر ایزد چوں نہ سازم روز و شب
سالہا از فکر و کوشش بے شمار
در ہزار و سہ صد و ہم بست سال
کردم آغازش نوشتم چند بار
عاقبت گشتہ تمام ایں کتاب
تا بماند بہر کاکو یادگار
سال اتمامش رقم زد خامہ ام
یک ہزار و سہ صد و پنجاہ و چار
۱۳۵۴ھ

الغرض مصنف اپنی اس تصنیف کی طباعت اپنی آنکھوں سے
نہ دیکھ سکے اور تین سال کے بعد ۹ رجمادی الاول ۱۳۵۷ھ م
۸ رجولائی ۱۹۳۸ء دار فانی سے دار البقا میں پہنچ گئے۔

اب سینتالیس سال کے بعد مرتب کتاب ہذا کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ کاکو کی ایک برگزیدہ مخدومہ اور دیگر بزرگان دین کے حالات کو قارئین تک پہنچائے۔ امید ہے کہ اس کی یہ کوشش مشکور ہوگی اور نجات اخروی کی کفیل۔

مرتب نے اس کتاب کی ترتیب نو اور طباعت کی حسب ذیل تاریخیں تجویز کی ہیں۔

"تاریخ و آثار کاکو ہے" - یہ تذکرہ کاکو ہے

۱۹۸۱ء — ۱۴۰۲ھ

عطا کاکوی

۶ صفر ۱۴۰۲ھ
م
دسمبر ۱۹۸۱ء

عطا منزل۔ سلطان گنج
پٹنہ ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد اس خدائے برتر کو زیبا ہے جس نے بنی آدم کو عدم سے وجود میں لا کر اس عالم میں بھیجا، کسی کو امام اور کسی کو ولی کے لقب سے سرفراز فرمایا اور کیسے کیسے انبیاء امام اور اولیا کو ہر قرن میں دنیا کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے مبعوث فرمایا جل جلالہٗ و جل شانہٗ۔

نعت سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان ضعیف البنیان کیا لکھ سکتا ہے۔ اگر قیامت تک کوئی اوصاف احمدی اور الطاف محمدی کو لکھنا چاہے جب بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ حضور پر نور اللہ کے حبیب، خاتم النبیین شفیع المذنبین فخر الاولین والآخرین تخلیق میں سب سے اول اور بزرگی میں سب سے افضل ہیں۔ خود اللہ پاک نے آپ کو رؤف الرحیم اور رحمۃ للعالمین فرمایا تو پھر انسان کی کیا ہستی ہے کہ کچھ بیان کر سکے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ کے آل پاک اور اصحاب کرام کی توصیف کی بھی کوئی حد نہیں۔ زبان و قلم دونوں بیان کرنے سے عاجز ہیں۔

خادم درویشاں گنہگار دو جہاں محمد غفور الرحمٰن متخلص بہ حمد رضوی النسب حنفی المذہب قادری ابو العلائی منعمی مشرب ولد اوسط

جناب غفران مآب حاجی الحرمین شریفین سید شاہ محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ ساکن قصبہ کمال آباد عرف کاکو پرگنہ بھلاور ضلع گیا حضرات ناظرین کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے کہ مدتوں سے اپنی خواہش دلی اور احباب دائرہ کے تقاضے سے اس ناچیز نے یہ جرأت کی کہ حضرت مخدومہ ولیہ زمن پاک دامن بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال قدس اللہ سرہا اور اس سرزمین کاکو میں جو دیگر بزرگان باکمال آسودۂ خواب ابدی ہیں ان کے حالات قلمبند کروں اور اسی کے ضمن میں بستی کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکتے تھے ان کی روداد لکھوں۔ مگر بمصداق اس کے کہ چھوٹا منھ بڑی بات میری ہستی کیا ہے کہ ایسے ایسے اکابر کے حالات لکھ سکوں۔ محض اپنی سعادت اور ذریعہ نجات سمجھ کر کچھ مختصر حالات اور واقعات لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ امتداد زمانہ کے باعث بہت کچھ تغیرات ہوئے ہوں گے۔ واقعات وحالات کی صحیح طور پر نشان دہی آسان نہیں پھر بھی حتی الوسع بڑی چھان بین کے بعد یہ تذکرہ مرتب کرنے کی ہمت کی۔ بہت ممکن ہے کہ تاریخی نقطۂ نظر سے بیانات معیاری نہ ہوں اور ارباب نظر کی نگاہوں میں اس میں سقم نظر آئے اپنی کم علمی اور عدم قابلیت کا مجھے اعتراف ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس امر کا بھی اظہار ضروری ہے کہ فراہمی معلومات کے جو ذرائع تھے وہ کافی نہ تھے کوئی معمر واقف کار بھی اس بستی میں ایسا نہ ملا جس سے واقعات کی تحقیق ہو سکے۔ نیچے لکھے جو آثار ہیں مثلاً درگاہ شریف کے کتابے اور کچھ بزرگوں کے باقی ماندہ سفینے اور یادداشتیں، انہیں کی مدد سے میں نے یہ تذکرہ مرتب کیا۔

اس بستی میں کثرت سے بزرگانِ باکمال گزرے ہیں مگر ان کے نام مشہور انام اور زبان زد خاص و عام نہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے ایسے اکابر کے پورے حالات ذاتی و صفاتی نہ مل سکے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں کثرت سے آتش زدگیاں ہوتی رہی ہیں۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ بستی کی بستی جل کر خاک سیاہ ہو گئی، چنانچہ دو مرتبہ میری یاد میں زبردست آتش زدگی ہوئی۔ ایک بار پندرہویں ربیع الثانی سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق دوسری ماہ مئی ۱۸۷۴ء موافق یکم جیٹھ سنہ ۱۲۸۱ فصلی روز شنبہ اور پھر دوسری بار چودھویں ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۹۷ء موافق تیس ۳۰ چیت سنہ ۱۳۰۲ ف روز شنبہ کو ایسی آگ لگی کہ ساری بستی جل گئی۔ میری پیدائش سے پہلے بھی چند مرتبہ اسی طرح کی واردات ہوئی، جس سے بستی کے باشندوں کا سارا سرمایہ خاکستر ہو گیا۔ اسی آتش زدگی کی بنا پر یہ کہاوت مشہور عوام ہے کہ "سارا کاکو جل گیا اور اور بی بی کمال سوئی رہیں"

بستی کاکو کاکو بستی بہت قدیم ہے۔ بہار میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں ہنود کی آبادی تھی اور یہاں کوئی راجا یا بڑا زمیندار برسر اقتدار تھا۔ پرانے ٹیلے اور اگلے وقتوں کی اینٹیں جو کھدائی میں برآمد ہوتی رہیں وہ اس بات کی شاہد ہیں۔ محمد بن بختیار خلجی (۵۹۰-۶۰۲ھ) م (۱۱۹۲-۱۲۰۴ء) نے بہار میں اسلامی حکومت قائم کی۔ اسی کے بعد مسلمانوں کی جماعت مختلف مقامات بہار میں آباد ہونا شروع ہوئی۔

منیر شریف کاکو سے چودہ کوس پر واقع ہے۔ وہاں کے راجا

کو حضرت تاج فقیہ علیہ الرحمت نے ۵۷۶ھ میں شکست دی تھی اور اس کے بعد محمد بن بختیار خلجی نے پورے بہار پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ حضرت امام تاج فقیہ کے پوتے حضرت سلیمان لنگر زمین قدس سرہٗ حضرت بی بی کمال کے شوہر تھے۔ اس رشتہ سے یہ حضرت مخدوم شرف الدین بہاری کے خالو اور چچا بھی تھے۔ آپ کا کوکب تشریف لانے اس کا تو کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ جب حضرت امام تاج فقیہ منیر فتح کرنے کے بعد اپنے وطن بیت المقدس واپس گئے اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو یہیں چھوڑ گئے جن کے نام حضرت اسرائیل اور حضرت اسمٰعیل تھے۔ امام تاج فقیہ کی جب محل اولیٰ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اپنی سالی کو حبالہ نکاح میں لایا اور ان کے بطن سے حضرت عبدالعزیز پیدا ہوئے جو سن رشد کو پہنچ کر منیر شریف اپنے بھائیوں کے پاس چلے آئے۔ حضرت اسرائیل کے بیٹے حضرت مخدوم یحییٰ منیری (ف ۶۹۰ھ) تھے وہ تو منیر ہی میں رہے۔ اور بھائیوں کی اولاد اطراف واکناف بہار و بنگال میں اعلاء کلمۃ الحق کی اشاعت کے لئے پھیل گئی۔ حضرت اسمٰعیل کی اولاد نے علاقہ ترہت میں تبلیغ اسلام کی اور رشد وہدایت سے اس علاقہ کو سرفراز فرمایا۔ حضرت امام فقیہ کے پوتے حضرت سلیمان لنگر زمین پسر حضرت عبدالعزیز نے کاکو کو اپنے قدم میمنت لزوم سے منور کیا۔ آپ ہی کی اہلیہ حضرت ہدیہ عرف بی بی کمال ہیں۔

نسب نامہ بی بی کمال

مناسب ہے کہ یہاں پر حضرت بی بی کمال قدس سرہا کا نسب نامہ پدری قلمبند کر دیا جائے

بی بی ہدیہ عرف بی بی کمالؒ[1] بنت مخدوم سید شاہ قاضی شہابؒ[2] الدین پیر جگجوت سلطان کاشغر بن حضرت سلطان سید شاہ محمدؒ[3] بن سلطان سید شاہ احمدؒ[4] بن سلطان سید شاہ ناصر الدینؒ[5] بن سلطان سید یوسفؒ[6] بن حضرت سید حسنؒ[7] بن حضرت سید قاسمؒ[8] بن حضرت سید موسیٰؒ[9] بن حضرت سید حمزہؒ[10] بن حضرت سید داؤدؒ[11] بن حضرت سید رکن الدینؒ[12] بن حضرت سید قطبؒ[13] الدین بن حضرت سید اسحٰقؒ[14] بن حضرت سید اسمٰعیلؒ[15] بن حضرت امام جعفر صادقؒ[16] بن حضرت امام محمد باقرؒ[17] بن حضرت امام زین العابدینؒ[18] بن حضرت سید الشہدا امام حسینؒ[19] بن حضرت مولا علیؓ[20] کرم اللہ وجہہ۔

نسب نامہ حضرت سلیمان لنگر زمین

اسی مقام پر یہ بھی نامناسب نہ ہوگا اگر حضرت بی بی کمال کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمین کا نسب نامہ پدری بھی رقم پذیر ہو جائے۔

حضرت سلیمان لنگر زمین حضرت عبد العزیز بن حضرت امام تاج فقیہ بن حضرت ابو بکر بن حضرت ابو الفتح بن حضرت ابو القاسم بن حضرت ابو صالح بن حضرت ابو دہر بن حضرت ابو اللیث بن حضرت ابو شہمہ بن حضرت ابو دین بن حضرت ابو مسعود بن حضرت ابو ذر بن حضرت زبیر بن حضرت عبد المطلب۔

بی بی کمال

حضرت بی بی کمال اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ آپ کے کشف و کرامات کی سینہ بہ سینہ روایتیں مشہور و معروف ہیں۔ آپ کا مزار پر انوار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ جب آپ کے شوہر یہاں تشریف لائے

تو آپ بھی یہاں آئی ہوں گی مگر بستی کی روایت اس سے مختلف ہے
روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ یہاں تشریف لائیں تو یہاں
کا راجہ اپنی بدسلوکی کے باعث آپ کی بد دعا کا شکار ہوا اور اسکی
حکومت کا تختہ الٹ گیا۔

آپ جب یہاں تشریف لائیں تو میانے میں سوار تھیں، چار
مسلمان کہار تھے ایک استاد بھی تھے جن کا نام شاہ محمد فرید تھا۔ یہ گھوڑے
پر سوار تھے۔ ایک خادمہ بھی ساتھ تھی جس کا نام دائی بیگو مشہور ہے
ایک خادم بھی تھا جس کا نام فہیم کہا جاتا ہے۔ ان سب کے مزارات
بھی آپ کے روضہ کے پاس ہی پختہ بنے ہوئے ہیں۔ دائی بیگو کا مزار
آپ کی پائنتی میں دیوار سے متصل حلقے کے اندر ہے۔

پہلے آپ کا مزار خام تھا جو بستی سے پچھم ایک مقام پر واقع تھا
بستی کی تین جانب جھیل کی طرح کا گہرا تالاب ہے جس کے متعلق مشہور
ہے کہ اسکو پیری ہنس کہتے تھے جو کثرت استعمال سے "پنہاس" کہا جاتا ہے
پچھم جانب لب تالاب حضرت بی بی کمال کا روضہ پر انوار واقع ہے
بڑی پر فضا جگہ ہے اور دور دور سے حاضرین و زائرین آکر اپنی
مرادیں پاتے اور مریض شفایاب ہوتے ہیں۔

فیروز شاہ تغلق بہار شریف جاتے ہوئے کاکو سے گزرا تھا۔
یہ واقعہ ۷۵۹ھ کا ہے۔ جس مقام پر حضرت بی بی کمال کا خام مزار تھا
وہیں پر اس کا پڑاؤ ہوا۔ وہاں پر ایک چھوٹی سی بستی جو بی بی پور
کہی جاتی ہے آباد تھی۔ بستی والوں سے بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ یہاں
پر حضرت مخدوم شرف الدین منیری ثم بہاری کی حقیقی خالہ آسودہ خاک

لگ بھگ واقع ہوئی ہوگی اور آپ کے والد کی وفات کا سال باختلاف سنین سنہ ۶۶۱ھ یا ۶۷۶ھ میں کہا جاتا ہے اس لئے تخمیناً حضرت بی بی کمال کا سال وفات ۷۰۰ھ کے آس پاس مقرر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ۶۰۰ھ م ۱۲۰۴ء تا ۷۰۰ھ م ۱۳۰۰ء تک آپ کا زمانہ متعین ہوسکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ہندوستان پر قطب الدین ایبک سے لے کر خلجی خاندان کے بادشاہ جلال الدین فیروز شاہ کی حکومت تھی۔

شہاب الدین غوری نے ۵۹۱ھ م ۱۱۹۴ء میں بنارس تک کا یلغار کیا تھا اور اس کے بعد محمد بن بختیار خلجی (ف ۶۰۳ھ) نے بہار پر اپنا پورا تسلط جما لیا تھا۔

یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت شہاب الدین پیر جگجوت ہندوستان آئے ہوں گے۔ قبل اس کے کہ حضرت بی بی کمال قدس اللہ سرہا کے جو حالات معلوم ہوسکے ہیں بیان کئے جائیں مناسب ہے کہ مختصر طور پر آپ کے والد ماجدؒ کے حالات بیان کر دیے جائیں۔

تذکرہ قطب الاقطاب شمس الفقرا قدوۃ السالکین

حضرت مخدوم سید شاہ قاضی شہاب الدین پیر جگجوت قدس اللہ سرہٗ

آپ عالی نسب سادات جعفری اور ملک کاشغر کے فرماں روا تھے۔ آپ کے خاندان میں چند پشتوں سے سلسلہ سلطنت چلا آتا تھا

آپ کے والد ماجد کا نام سلطان محمد تاج تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اس کے بعد آپ حضرت نجم الدین کبریٰ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی بھی حاصل کرتے رہے اور جیسا کہ کتابوں میں مذکور ہے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو بیعت حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے تھی۔ اگر بیعت نہ سہی تو اجازت خلافت سلسلہ سہروردیہ کی آپ سے ملی۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد سلطنت کا بار سنبھالا اور اس سے قبل عہدۂ قضا پر بھی متمکن تھے مگر جذبۂ عشق الٰہی نے کچھ ایسا رنگ دکھلایا کہ حکومت ترک کر کے اپنی اہلیہ اور چاروں لڑکیوں کو ساتھ لے کر وطن سے باہر نکلے اور لاہور ہوتے ہوئے بہار شریف آئے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ پہلے منیر شریف آئے اور بعضوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ نے حاجی پور میں قیام فرمایا پھر اپنے سمدھی حضرت آدم صوفی کی طلب پر پٹنہ سے متصل ایک مقام موضع جیٹھلی میں مستقل قیام فرمایا۔ یہ مقام دریائے گنگا کے کنارے ہے۔

آپ کا انتقال ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۶۶۶ھ کو ہوا۔ آپ کا مزار پرانوار گنگا کنارے ایک بلند چبوترے پر واقع ہے۔ آپ کی اہلیہ کا مزار بھی وہیں پر ہے۔ ہر سال بڑے جوش و خروش کے ساتھ قُل ہوتا ہے۔ یہ مقام کچی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کے مزار سے تھوڑی ہی دور پورب آپ کے سمدھی حضرت مخدوم آدم صوفی (ف ۶۹۷ھ) کا مزار بھی ہے جو کچی درگاہ

کے نام سے موسوم ہے۔

آپ کی چار صاحبزادیاں تھیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ آپ کی اہلیہ کا نام بی بی ملکہ خاتون عرف ملکہ جہاں پرانے سفینوں میں لکھا ہوا ملتا ہے مگر کنز الانساب مصنفہ سید شاہ محمد عطا حسین دانا پوری ثم گیاوی میں لکھا ہے کہ آپ کی اہلیہ کا نام بی بی نور تھا اور آپ کے خسر کا نام سید وجیہ الدین اور والدہ ماجدہ کا نام راحت النساء اور نانا کا نام سید لطف اللہ تھا۔ چھبیسویں محرم کو آپ کی اہلیہ کا بھی قل ہوتا ہے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے حضرت پیر جگجوت کی صرف چار لڑکیاں تھیں۔ اولاد ذکور میں کوئی نہ تھا اس لئے آپ کے جانشیں آپ کے داماد حضرت مخدوم سید حمید الدین چشتیؒ ہوئے جو اپنے والد سید آدم صوفی چشتیؒ کے بھی جانشیں تھے۔ دونوں خانقاہوں کی ذمہ داری آپ ہی نے سنبھالی۔ جیسا کہ اور خانقاہوں کا دستور رہا ہے حضرت پیر جگجوت کی خانقاہ میں اب سجادہ نشیں کا سلسلہ قائم نہیں ہے۔ مزار کی دیکھ بھال اور قل وغیرہ کا انصرام خدام کے سپرد ہے حضرت پیر جگجوت کے گھر میں بیک وقت چودہ قطب موجود تھے جو کہا جاتا ہے کہ اکثر بیک وقت ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ ایک آپ خود[۱]، دوسرے آپ کی اہلیہ[۲] چاروں[۳] صاحبزادیاں[۶] چاروں[۱۰] داماد اور چاروں[۱۴] نواسے۔ آپ کی چاروں صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:۔ بی بی رقیہ عرف بڑی بوا۔ بی بی حبیبہ۔ بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال اور بی بی جمال قدس سرہا۔

کاکو کی قدامت اور وجہ تسمیہ

آفرینش عالم کے بعد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بستیاں، قصبے اور شہر بستے رہے اور فنا ہوتے رہے، کتنوں کے نام ہیں تو نشان نہیں۔ کتنے ایسے ہیں کہ نام و نشان بھی نہیں تاریخ کے اوراق ان کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔ بچے کھچے آثار اگر کہیں باقی رہے تو قیاس آرائیوں کی مدد سے جو رائے بھی قائم کی جائے وہ درجہ یقین تک نہیں پہنچ سکتی۔

اس میں شک نہیں کہ روایات پر تاریخ کی بنیاد ہے مگر روایت کا یہ حال ہے کہ اگر کسی واقعہ کو چند لوگوں نے مختلف وقتوں میں بیان کیا تو ان میں اختلاف کا ہونا لازمی ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ امتداد زمانہ ان روایات پر اتنے دبیز پردے چڑھاتا رہتا ہے کہ اصل واقعہ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

روایت سند چاہتی ہے۔ ہمعصروں کی یا قریب العہد کے بیانات کی۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر روایت کے پیچھے کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور رہتی ہے مشہور مقولہ ہے۔

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

کاکو کی قدامت

یہ امر مسلم ہے کہ یہ بستی بہت قدیم ہے۔ زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔ خود بستی کے آثار قدیمہ کے مٹے مٹائے نقوش بانگ پکارے زبان حال سے اپنی قدامت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

روایت لاکھ کمزور سہی پھر بھی بہتیری باتوں کو قطع نظر کرکے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پرانے ٹیلوں اور گڈھوں سے جو وقتاً فوقتاً

نقلیں اور مورتیں نکالی گئیں تو ان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ مقام اگلے زمانہ میں بودھ مذہب کا مرجع و ماویٰ رہا ہے جہاں مہاتما بودھ کو گیا (قدیم صاحب گنج) میں نروان حاصل ہوا جو کاکو سے صرف ۴۲ میل پر واقع ہے۔ راجہ اشوک۔ پاٹلی پترا (پٹنہ) کا حکمراں تھا وہ اس مذہب کا بڑا زبردست حامی تھا اور اطراف و جوانب ہی نہیں بلکہ دور دور تک دوسرے ممالک میں اس مذہب کی تبلیغ کے لئے اس نے وفود بھیجے۔ پٹنہ بھی کاکو سے صرف ۳۸ کوس پر واقع ہے گیا سے پٹنہ تک کا پورا علاقہ بودھ مذہب کا گہوارہ تھا۔ بہار شریف بھی جو کاکو سے صرف ۱۴ کوس پر واقع ہے بودھ مذہب کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہیں نالندہ میں یونیورسٹی تھی جہاں ملکی اور غیر ملکی طلبا کی کثیر تعداد بودھ مذہب کی تعلیم پاتی تھی۔

کاکو بستی سے صرف دو میل پر ایک چھوٹی سی بستی بنام "پالی" آج تک موجود ہے۔ اسی طرح اور علاقوں میں بھی چند مقامات پالی۔ یا پالی گنج سے موسوم ہیں۔ قیاس کیا یقین ہے کہ یہ سب مقامات بھی بودھ مذہب کی تعلیم گاہیں ہوں جہاں پالی زبان میں تعلیم دی جاتی ہوگی۔ یہی زبان اس زمانہ میں بولا کرتے تھے۔ اور اسی زبان میں عوام تعلیم پاتے تھے پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس مذہب کے ماننے والوں پر تعلیم برہمنی مذہب کا یلغار ہوا۔ اور بودھ مذہب کے ماننے والے اپنی جگہ چھوڑتی سے یک قلم نیست و نابود کر دئے گئے یہاں تک کہ ان کی زبان پالی کے جاننے اور بولنے

والوں کا بھی نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔
یہ مذہب تقریباً ایک ہزار برس تک بڑھتا اور پھیلتا رہا مہاتما بودھ کا انتقال حضرت عیسٰی کے عہد سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال قبل ہوا۔ چینی سیاح سنہ ۴۰۰ عیسوی میں نالندہ۔ اور پاٹلی پترا (پٹنہ) آیا تھا اور بودھ مذہب کی پوری ترقی دیکھی تھی تعلیم پائی تھی۔ اس وقت تک بودھ مذہب کافی ترقی پر تھا۔ مگر پہلی سی رونق نہ تھی۔
پھر دوسرا سیاح ہیون سانگ ساڑھے چھ سو سنہ عیسوی میں آیا۔ اس وقت بھی بودھ مذہب گرچہ قائم تھا مگر سنہ ۶۰۰ء میں بنگال کا راجہ ساسانکا نے بودھ گیا جو بودھ مذہب کی مقدس جگہ تھی۔ حملہ کر کے ان کی عبادت گاہوں اور بودھ کی مورتیوں کو توڑ پھوڑ کر صفحہ ہستی سے نابود کر دیا۔
محمد بن بختیار خلجی نے سنہ ۱۱۹۲ء (۵۹۰ھ) میں بہار پر حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ اقتدار میں لایا اس سے تقریباً چھ سو سال پہلے ہی نالندہ اور بودھ مذہب کی تعلیم گاہوں کا قلع قمع ہو چکا تھا اس لئے نالندہ کی تعلیم گاہوں کی تباہی کی ذمہ داری اس کے سر عائد نہیں ہوتی مگر تاریخ کا یہ بھی ایک المناک پہلو ہے کہ

جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے
وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

وجہ تسمیہ

کسی مقام کے نام کی توجیہ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کالکو کا نام کیوں پڑا یہ کون بتا سکتا ہے۔ لوگوں نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ قدیم روایت ہے کہ یہاں ایک

ایک راجا تھا جس کا نام کیک تھا اور اس کا بھائی ایل۔ کیک کے نام پر کاکو آباد ہوا۔ کسی نے راجہ کتک کا نام بھی بتایا ہے بعضوں نے دور کی کوڑی لائی ہے اور یہ روایت چلی آرہی ہے کہ راجا دسرتھ کی ایک رانی کیکئی نامی تھی جو رام چندرجی کی سوتیلی ماں تھی۔ وہ کاکو کی رہنے والی تھی۔ مگر یہ سب دور از کار اور ناقابل قبول روائتیں ہیں۔

بہار میں مسلمانوں کا تسلط

یوں تو بہار میں اسلامی تسلط باضابطہ طور پر محمد بن بختیار خلجی کی فتوحات سے ہوا جس کا زمانہ ۵۹۰-۶۰۲ھ مطابق ۱۱۹۲-۱۲۰۴ عیسوی ہے مگر مسلمانوں کی آمد اور ان کی نو آبادیات کا سلسلہ بہار کے مختلف مقامات میں اس زمانے سے بہت قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔

محمود غزنوی کے حملوں نے ہندوستان کے اطراف پر دھاک جما دی تھی۔ اس کے بھانجے سالار مسعود غازی کا بہرائچ تک آنا مشہور ہے۔ محمد غوری نے بنارس تک یلغار کی۔

ان یلغاروں کی وجہ سے مسلمان نے بہار کے مختلف مقامات پر اپنی سکونت قائم کر لی۔ حضرت امام تاج فقیہ نے ۵۷۶ھ منیر کو فتح کیا جو کاکو سے صرف ۴۳ کوس پر واقع ہے۔ یہی نہیں بلکہ شواہد ملتے ہیں کہ فتح منیر سے پہلے ہی خود منیر میں مسلمان بستے تھے۔ اور مومن عارف کا نام بتایا جاتا ہے وہ تنہا تو نہ ہونگے اپنے اہل و عیال اور دیگر وابستگان کے ساتھ سکونت پذیر ہونگے (از قبل ضمیمہ میں دیکھئے) ...

مسعود سالار غازی کے لشکریوں کا ساتھ بعد شہادت سالار اطراف

بہار میں پھیل جاتا بھی تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں۔

حضرت بی بی کمال کا ورود

کاکو میں حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی آمد کا واقعہ بھی روایات کے تہ در تہ غلاف میں مستور ہے۔ روایت جیسا کہ مشہور ہے اور پچھلے اوراق میں ضمناً بیان بھی کر دی گئی ہے، تو یہی ہے کہ حضرت مذکورہ تنہا میانہ پر چار کہار، ایک معلم، ایک ملازم اور ایک ملازمہ کو لے کر ایک ایسے مقام میں آئیں جہاں ایک بھی کلمہ گو نہ تھا۔ اس واقعہ کی نہ تو کوئی مستند شہادت ملتی ہے اور نہ عقل ہی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ ایک خاتون کا ایسے پر آشوب دور میں اس طرح سفر کرنا ممکن ہو سکتا۔

یہ کہا جا چکا ہے کہ حضرت تاج فقیہ منیر فتح کرنے کے بعد اپنے دو صاحب زادوں کو یہیں چھوڑ گئے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے ایک اور فرزند شیخ عبد العزیز بھی بھائیوں سے ملنے آئے۔ ان تینوں بھائیوں نے اطراف و جوانب میں پھیل کر اسلام کی اشاعت کی۔

شیخ عبد العزیز رح کے ایک بیٹے شیخ جلال اسی اطراف میں رہے۔ مزار بھی منیر شریف میں ہے، مگر دوسرے بیٹے شیخ سلیمان لنگر زمیں کاکو کی طرف آئے اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔

شیخ جلال کے بیٹے مخدوم شیخ شعیب شیخ پورہ ضلع مونگیر کی طرف گئے۔ وہیں ان کا مزار بھی ہے۔

حضرت سلیمان لنگر زمیں حضرت تاج فقیہ کے پوتے تھے۔ حضرت تاج فقیہ کے ایک اور پوتے مخدوم یحیٰی منیری تھے۔

(وفات ۶۹۰ ہجری) ان دونوں بچازاد بھائیوں کی شادی مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت (وفات ۶۶۶ ہجری) کی دو صاحب زادیوں سے ہوئی۔

حضرت بی بی کمال قدس سرہا یقین ہے کہ اپنے شوہر شیخ سلیمان لنگر زمین کے ہمراہ کاکو آئی ہونگی۔

راجا کی بد سلوکی اور بی بی کمال کی بد دعا سے بستی کی تباہی اور دیگر روایات جو مشہور ہیں۔ وہ ویسی ہی ہیں جس طرح دیگر بزرگان دین کے کشف و کرامات کی داستانیں زبان زد ہو جاتی ہیں۔ کشف و کرامات سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اس کے اظہار کے مواقع کا تعین کرنا مشکل ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا گیا ہے مسلمانوں کی بستی جھیل سے پورب جانب بسائی گئی ہے۔ یہیں قدیم بزرگان جو آئے وہ قیام فرما رہے۔ اب اس علاقے میں کوئی بھی مکانات کا نشان نہیں ملتا۔ صرف قبریں رہ گئی ہیں۔ حضرت سلیمان لنگر زمین کا بھی مزار اسی علاقے میں ہے۔

اس کا علم نہیں کہ پہلے حضرت سلیمان لنگر زمین کا انتقال ہوا یا ان کی اہلیہ کا۔ اندازہ یہی ہے کہ حضرت سلیمان کا انتقال پہلے ہوا ہوگا۔ حضرت بی بی کمال نے اپنی ریاضت اور عبادت کے لئے کسی دوسرے مقام پر سکونت اختیار کی جو پرسکون اور وہ بستی کے پچھم جانب واقع تھا جہاں ان کے ساتھ ان کے معتقدین و ابتاعان بھی اٹھے اور وہیں ایک چھوٹی سی بستی بی بی پور کے نام سے موسوم ہوگئی جب آپ نے انتقال فرمایا تو اسی جگہ آپ

بستی کا رقبہ یہ بستی اپنے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا گاؤں ہے۔ از روئے پیمائش بندوبست سرکاری اس کا رقبہ چار ہزار آٹھ سو بگھہ پانچ کٹھا سات دھور ہے۔ آٹھ تعلقہ جات اور سولہ قطعہ ائمہ جات سے اخذ ہیں۔ اخراجات نہیں ہیں۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) موضع حسین پور کمال پور۔ (۲) موضع فریدن پورہ۔ (۳) موضع محمد پور رخندو بیلونہ (۴) موضع مسعود اللہ پور۔ (۵) موضع چک کاکو۔ (۶) موضع جلال پور (۷) موضع نعلی جلال پور (۸) چک سید عمر (۹) چک سید عظیم (۱۰) چک محمد شریف (۱۱) چک تولن (۱۲) چک سید افضل عرف بابا بگھہ (۱۳) چک نور الدین علی اکبر (۱۴) چک رنگین (۱۵) چک دوست محمد (۱۶) چک حافظ پیر محمد (۱۷) چک حافظ محمد سمیع عرف تکیہ شاہ علی اکبر (۱۸) چک مظفر (۱۹) چک تاج محمد (۲۰) چک دوست عرف غلامی چک (۲۱) چک تاج محمود (۲۲) چک عبد الرحمن (۲۳) چک بی بی نور (۲۴) چک مواعظ (۲۵) چک کاکو عرف سلام چک (۲۶) چک قاضی عبد الکریم (۲۷) چک حافظ محمد اشرف (۲۸) چک خدیجہ (۲۹) چک شفیع (۳۰) اراضی ائمہ سبھا (۳۱) اراضی متفرقہ ائمہ سبھا۔ اس تال کے اجمالی اخراجات و مصارف کے لئے سوا سو (۱۲۵) بگھہ اراضی مزروعہ علیحدہ رکھی گئی ہے جو ٹرسٹ تال سے نامزد ہے۔

ائمہ اور قطع تعلقہ جات سے ملی ہوئی ہے اس کے منتظم مختلف زمانے میں مختلف باشندے زمیندار طبقے کے ہوتے رہے ہیں اور دس بارہ سال سے اس کا انتظام مولوی سید محمد شرف الدین عرف محمد ابرار صاحب کے ہاتھوں میں ہے جو ایک ذی فہم تجربہ کار اور دور اندیش زمیندار ہیں اور بہ حسن و خوبی اس کام کو انجام دے رہے ہیں اراضیات ائمہ سبھا اور تال کی آمدنی سے بستی کے اجمالی مفاد

کے سے متعلق اخراجات نیز کھیتوں کی رکھ اندازی وغیرہ کا کام
پورے کئے جاتے ہیں بستی کی مالی فلاح اور کاشتکاری کی....
سہولت کے لئے یہ سرمایہ بہت قیمتی ہے۔

بستی کی آبادی

اس بستی کی آبادی اتر دکھن زیادہ اور پورب
پچھم کم ہے تقریباً دو سو گھر چھوٹے بڑے زمیندار طبقے کے لوگ
سادات، شیوخ، اور ملک، برادری کے ہیں ایک سو گھر تقریباً
اہل حرفہ مختلف طبقوں کے سکونت پذیر ہیں اہل ہنود بھی مثلاً کائستھ
بابھن، اگروالے اور پنڈت طبقے کے اور نچلے طبقے کے پاسبان
مسہر، کہار، وغیرہ از قسم رعایان بستے ہیں۔ از روئے مردم شماری
سنہ ۱۹۶۱ء چھ سو سے کچھ زیادہ ہی گھر یہاں آباد ہیں اور بسنے والوں کی
تعداد تقریباً ۱۰ ہزار ہوگی۔

پورے محال کی زمینداری عموماً بستی ہی کے شرفا کے قبضے
میں ہے باہر کے لوگ بہت کم یہاں کے زمیندار ہیں ایک دو کو
چھوڑ کر سبھی زمیندار مختصر آمدنی کے مالک ہیں۔ اور اپنی اسی مختصر
بضاعت پر سفید پوشی اور فراغ خاطری سے زندگی بسر کرتے
ہیں۔ اب نئی تعلیم کی بدولت کچھ لوگ نوکری پیشہ ہو گئے ہیں۔

یہاں بستی میں علما بھی ہیں۔ اور حکما بھی حفاظ بھی ہیں اور معالجین بھی۔
شعرا بھی ہیں اور دو بیرسٹران بھی (مسٹر داؤد ابن شیخ عبدالرحمٰن
اور مسٹر نور اللہ شاہ نور ابن شاہ ولی اللہ مختار) یہاں کے لوگ خلیق ا
ملنسار ... اور نیک طبیعت ہیں۔ ملنے جلنے اور تعلقات میں چھوٹے بڑے
کا امتیاز نہیں۔ امیر غریب سبھی ایک دوسرے کے ہمدرد اور ہم نوا کٹھن
وقتوں میں ایک دوسرے کے کام آنے والے آڑے وقتوں میں باہمی

امداد کا مظاہرہ کرنے والے۔ دکھ درد میں ایک دوسرے کے شریک مگر کوئی کلیہ استثنا کے بغیر نہیں ہوتا۔ اچھے برے ہر جگہ ہوتے ہیں۔

بستی کے متعلق دو کہاوت

نہ جانے کب سے یہ کہاوت دور دور تک مشہور ہے کہ "سارا کاکو جل گیا اور بی بی کمال سوئی رہیں" ہر کہاوت کے پیچھے ایک داستان ہوتی ہے اس کہاوت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت بی بی کمال (قدس سرہا) کی ولایت اور عظمت دور دور تک مشہور تھی دوسرے یہ کہ ساری بستی کا آتش زدگی سے تباہ ہو جاتا۔ کاکو کی آتش زدگی مشہور ہے قبل جو آگ لگی ہوگی کا تو علم نہیں مگر مولف کتاب ہذا کی زندگی میں کاکو میں اکثر دیکھے آتش زدگی کی وارداتیں عام تھیں۔ ایک دو بار تو ساری بستی ہی آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔

الغرض کسی زمانے میں ایسی ہی بستی گیر آتش زدگی ہوئی ہوگی اور کسی نے دبی آواز میں یہ اظہار خیال کیا ہوگا ایسی برگزیدہ ولیہ کاملہ کے ہوتے یہ مصیبت نازل ہوئی اور حضرت بی بی کمال نے کچھ خبر نہ لی۔ دوسری ایک کہاوت اور بھی مشہور ہے کہ "چار چودہ جہاں کاکو بسے تہاں" یعنی کاکو بستی ایک ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں سے چار مقامات چودہ چودہ کوس پر واقع ہے۔ یہ چاروں مقامات یہ ہیں

(۱) پٹنہ (۲) منیر شریف (۳) بہار شریف (۴) صاحب گنج عرف گیا۔ مذکورہ بالا تین جگہوں سے تو حضرت بی بی کمال کا خاص تعلق رہا ہے پٹنہ کے متصل جٹھلی میں آپ کے والد ماجد سید شاہ شہاب الدین پیر جگجوت کا مزار پر انوار ہے۔ منیر شریف میں آپ کے شوہر حضرت سلیمان

لنگر زمیں کے چچازاد بھائی حضرت یحییٰ منیری کا مزار ہے بہار شریف
میں آپ کے ہمشیرزادے حضرت مخدوم شرف الدین
اور مخدوم احمد چرم پوش ان کا مزار ہے گیاسنے بھی ممکن ہے کہ
کچھ نسبت رہی ہوگی۔

بستی کے محلے

بستی کی آبادی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے ایک حصہ اہل ہنود کا ہے جو سڑک کے اتر جانب واقع ہے۔ اس حصے میں ہر طبقہ کے اہل ہنود اور دیگر کاروباری لوگ بستے ہیں۔ سڑک سے دکھن جو علاقہ ہے وہ زیادہ تر مسلم آبادی پر مشتمل ہے یہ آبادی چند محلوں پر مشتمل ہے اتر جانب جو علاقہ ہے وہ ملک ٹولہ کہلاتا ہے اور اس میں زیادہ تر ملک خاندان کے لوگ بستے ہیں۔ اس کے جتنے گھرانے ہیں سب ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں اسی سے متصل شیخ ٹولی ہے اس میں عموماً شیخ برادری کے لوگ بستے ہیں۔

بستی کے بیچ بستی میں ایک محلہ شاہ ٹولی ہے جس میں عموماً ایسے خاندان بستے ہیں جن کا تعلق صوفیائے کرام اور سجادہ نشیں خدام سے ہے۔ بستی کے پورب قدیم مسجد کے ارد گرد سید ٹولہ کہلاتا ہے۔

پچھم طرف ایک محلہ بازار کہا جاتا ہے جہاں ہفتے میں دو بار ہاٹ لگتی ہے اسکے اور پچھم کچھ جدید سکونتی مکانات اسکول سے متصل بننے لگے ہیں جو نشاۃ ثانی تعمیرات میں شامل ہیں اسی طرح گذشتہ کے جو مقامات تھے ان پر بھی نئے مکانات بنتے جارہے۔

حلقہ درگاہ شریف

درگاہ شریف کا پورا حلقہ اندر اور باہر کا مع عیدگاہ اور کربلا نیز مکانات خدام و متولی و فاتحہ اور سائبان بھیرونی لب سڑک جو اتر رخ کا ہے سب ملا کر ۱۹۰ بانس اتر دکھن اور ۱۷۰ بانس پورب پچھم بترتیب عرض و طول جو گورنمنٹ انگریزی سے ملا ہے جس کا رقبہ ۱۹ کٹھا ہے۔ اسی حلقے میں اندرونی پھاٹک کے پاس حضرت مخدوم شرف الدین احمد منیری قدس سرہٗ کا چلہ ہے۔ ایک عظیم درخت پاکڑ کا سایہ کئے ہوئے ہے اس درخت کا واقعہ یہ ہے کہ بستی کے ایک شخص عبدالصمد مرحوم درگاہ شریف میں چلہ کش تھے۔ اور انہوں نے آسائش کے لئے ایک جھونپڑا بنوا لیا تھا اور اس پر چھپر دینے کے لئے ایک شاخ پاکڑ کی بطور ستون زمین میں گاڑ دی تھی۔ یہی شاخ رفتہ رفتہ سرسبز و شاداب ہو کر ایک درخت بن گئی اور شاخیں پھیل گئیں۔ جہاں پر حضرت مخدوم کا چلہ ہے وہیں پر لوگ بہار شریف کی طرف رخ کر کے فاتحہ پڑھتے ہیں۔

درگاہ شریف کی ہجرت

ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۸ھ مطابق سنہ ۱۹۰۰ء موافق ماہ اگہن سنہ ۱۳۰۸ فصلی کو اس قصبہ میں پہلی مرتبہ عارضہ پلیگ کا شدت سے پھیلا۔ تقریباً ڈھائی سو آدمی مر گئے وقتی طور پر اکثر لوگ ادھر ادھر منتقل ہو گئے۔ یہ ناچیز بھی اپنے عزیزوں کے ساتھ بستی چھوڑ کر درگاہ شریف پر قیام گزیں ہوا میں یہاں ۲۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۸ھ کو یہاں آیا اور ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۸ھ میں گھر واپس گیا۔ اس عرصہ کے قیام درگاہ کے دوران چونکہ یہاں بود و باش کا کوئی سامان نہ تھا رہنے کے لئے نہ کوئی مکان تھا اور نہ

ٹھکانا عارضی طور پر پھونس کے چھپر ڈال کر تین ماہ قیام کیا اور اسی
دوران میں درگاہ کی مرمت کا بھی اپنے صرف خاص سے کام شروع
کردیا پھر میرے برادر عزیز خان بہادر سید شاہ محمد کمال خان معلم
لودی کٹرہ پٹنہ نے اور میرے عم محترم جناب سید شاہ نورالرحمٰن
عرف شاہ للن ساکن حال محلہ کشمیری کوٹھی پٹنہ نے درگاہ کی
مرمت کے لئے رقوم عطا کئے کاکو کے مالکان نے بھی تحریری
اسد عایہ جو اینٹیں اور دیگر چیزیں پل اور چوکی کی تعمیر کے لئے فراہم
تھیں اور برباد ہو رہی تھیں درگاہ شریف کی مرمت کے لئے
دیدیں اس طرح درگاہ کی مرمت کا کام شروع ہوا۔
جس حلقے میں مزار مبارک ہے اسکے سرھانے کی دیوار
شمالی میں جو چراغ دان ہے اور پچھاری دیوار جس میں
طاق مسجد ہے ان دونوں دیواروں میں شیشے کے دو بکسوں
...... میں پوری صراحت تاریخ تعمیر وغیرہ کے ساتھ کاغذ میں تحریر
کرکے بطور یادداشت رکھ دی گئی ہیں معمار بندراج ساکن بی بی
پور نے تعمیری کام انجام دئے یہ دونوں دیواریں بخرچ خاص سے
خان بہادر شاہ محمد کمال خاں کے اور راقم الحروف کے زیر نگرانی
بنی ہیں ؛

جدید تعمیرات بعض جدید تعمیریں بھی ہوئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے
کہ زنانہ حلقہ میں اتر طرف صرف ایک دیوار
پردے کی تھی اب اس سے ملحق چار کوٹھریاں بڑی بڑی پختہ بنادی
گئیں اور پچھم طرف دالان اور کوٹھریوں کے آگے پورب رخ
کا سائبان بنادیا گیا اور زنانہ مکان کے پھاٹک کے ایک پختہ

دیوار اتر دکھن حجاب کے لئے بنوا دی گئی اور ایک دیوار پختہ
پورب پچھم اس کھڑکی کے پاس بنا دی گئی ہے جو عورتوں کی
آمد و رفت کے لئے مخصوص ہے حضرت مخدومہ کے حلقۂ مزار شریف
سے باہر پائیں میں جو صحن جنوبی ہے اسکے پچھم جانب اتر دکھن پوری
دیوار نہیں تھی اسکو بھی بعد میں مکمل کرا دیا گیا عیدگاہ کے حصہ میں بھی
دیوار کو اور وسیع کر دیا گیا احاطہ درگاہ سے باہر لب سڑک جو
سائبان ۱۳۴۳ھ میں تعمیر ہوا تھا وہ ۱۳۴۵ھ کے برسات میں بالکل
گر گیا تھا جس کو پھر از سر نو ۱۳۴۶ھ میں بنوایا گیا۔ اس کا
پورا خرچ راقم الحروف کی بڑی ہمشیرہ اہلیہ مولوی ظفر امام مرحوم
رئیس مغل پورہ پٹنہ (یعنی والدہ عزیزی فضل امام ساکن حال
کاشانہ مجیب منزل کمرہ پٹنہ) نے برداشت کیا تھا۔

ہاں اسی زمانے میں پلیگ کی وبا پھیلی۔ رمضان شریف کا مہینہ
تھا کہ مسٹر اولڈھم صاحب بہادر جو اس وقت گیا میں کلکٹر تھے تو
معائینہ کے لئے کاکو تشریف لائے ان کے ساتھ جہان آباد کے
سب ڈویزنل افسر (S.D.O.) مسٹر وزینڈ صاحب بھی آئے تھے
درگاہ شریف پر گئے پوری درگاہ اندر عمارات کا معائینہ کیا
اور وقت رخصت خادم درگاہ کو ایک روپیہ بطور انعام دیا اس
کے بعد یعنی میں آکر شیخ عبد الرحمن رئیس اعظم کاکو سے ملے اور چند
اشخاص بھی بستی کے آگئے تو فرمایا کہ درگاہ بہت بے مرمت ہو
گئی ہے۔

اگر بہ لحاظ عقائد نہیں تو بہ لحاظ اسکے یہ عمارت آثار قدیمہ میں ہے
اس کی حفاظت لازمی ہے اسکی مرمت کے لئے چندہ ہونا چاہئے۔

اس کام کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے جس کی صدارت میں خود کروں گا۔ اور جناب اس ڈی او صاحب کو ہدایت کی کہ درگاہ کے متعلق جو اخبارات و تفصیلات ان کی چھان بین کر کے رقم فراہم کی جائے۔ اس موقعہ پر راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے موجود نہ تھا۔

پھر عید کی نماز کے موقع پر عام حضرات کی اپیل کی گئی اور سیکڑوں لوگوں نے اپنے اپنے نام چندہ دہندگان میں لکھوائے۔ اس رقم سے اینٹیں منگوائی گئیں مگر ملیگ کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوئی اور کچھ اینٹیں برباد ہو گئیں مسٹر اولڈہم صاحب کو اس درگاہ شریف کی مرمت کا خیال ہمہ دم رہا اور جب مسٹر نوراللہ شاہ ایک بار کسی ضرورت سے کلکتہ گئے تو وہاں مسٹر اولڈہم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے درگاہ شریف کے مرمت کا حال ان سے دریافت کیا۔

ایک بار اسی طرح جناب شیخ عبدالمجید صاحب رئیس کاکو اور انڈومیس سے مسٹر اولڈہم موصوف سے کیس اسٹیشن پر ملاقات ہو گئی تو انہوں نے کاکو درگاہ کی کیفیت پوچھی۔ اور جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب سے عند الملاقات اکثر مرمت درگاہ کے متعلق دریافت کرتے رہتے تھے۔

جناب موصوف کو آثار قدیمہ اور مزارات بزرگاں کی حفاظت سے بڑی دلچسپی تھی۔
جناب موصوف فارسی زبان جانتے تھے چنانچہ انہوں نے عہدہ کلکٹری آرہ شاہ آباد میں مقیم تھے تو انہوں نے پچھیدان جنگ بکسر کی قبروں کو از سر نو مرمت کرا کر اور یہ کتبہ تھا

اس کو نصب کرا دیا۔ اسی طرح ۱۹۱۴ء میں مسٹر موصوف جب
کہ پٹنہ میں کمشنر تھے تو بہار و اڑیسہ کے لفٹننٹ گورنر
مسٹر جان بیلی کے ہمراہ درگاہ شریف حضرت شہاب الدین
پیر جگجوت والد ماجد حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے تشریف
لے گئے جو پٹنہ سے متصل ضلع پٹنہ میں لب گنگا واقع ہے اور
ازراہ عقیدت مرمت مزار کے لئے جیب خاص سے ایک معقول
رقم عطا کی۔ اسی طرح منیر شریف میں تشریف لے گئے ہیں۔

تعمیرات میں ہمدردوں کی شرکت

میرے بزرگ محترم جناب مولوی
شاہ ولی اللہ جنت آرام گاہ قدیم ساکن مظفرپور اور حال مقیم
کاکو گیا جو چالیس سال تک مختاری کرتے رہے آپ کو بھی حضرت
بی بی کمال سے عقیدت تھی۔ انہوں نے اپنی اہلیہ کی یادگار میں
درگاہ شریف کے قریب ایک کنواں بنا تھا اور صحت کنواں کے
نام سے موسوم ہے از سر نو پختہ میرے ہی انتظام میں بنوا
دیا۔ اس کی تعمیر کا قطعہ تاریخ تعمیر اسی کتاب میں ملاحظہ
کیجئے

شیخ شمس الحق صاحب ساکن موضع نگر نوسہ ضلع پٹنہ حال مقیم
محلہ رمنہ من محلات شہر پٹنہ جن کا ننہال اسی بستی کاکو میں ہے
یعنی شیخ فضل حسین مرحوم کاکوی کے نواسے تھے اپنے چھوٹے ماموں
یعنی شیخ محمد سلیم مرحوم کے بیٹے محمد ید الحسن کے ختنے کے موقع
پر کاکو تشریف لائے تو انکو خدا را درگاہ محبت ہوئی بلا طلب
نہایت فراخ دلی سے ایک سو روپیہ کا نوٹ جیب خاص سے چندہ نذر کردیا

کہ اس رقم سے درگاہ شریف کی مرمت کی جائے خدا ان کو جزائے خیر دے۔

احاطہ عیدگاہ کی دیوار شرقی اور اس سے ملحق جائے ضرور جو بہت بے مرمت ہو گیا تھا اسکو مولوی علیم الدین صاحب، انسپکٹر پولیس جہاں آباد (برادر حقیقی سر فخر الدین وزیر تعلیم) نے مبلغ پچاس روپیے جیب خاص سے مولوی یوسف حسین کاکوی کے حوالہ کیا کہ وہ اپنے نگرانی میں مرمت کرا دیں۔ خدا کے فضل سے یہ کام ۱۳۲۵ء میں مکمل ہو گیا ان کو بھی حضرت بی بی کمال سے غایت عقیدت ہے۔

اکثر فاتحہ خوانی کے لئے آتے ہیں ایک بار بڑے تکلف سے مزار مبارک پر شامیانہ اور چادر وغیرہ چڑھائی اور تقریب میلاد شریف منعقد کی جناب سید واجد حسین خان بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ جہاں آباد ساکن قدیم موضع کرائے پر سرائے ضلع پٹنہ اور حال مقام قصبہ باڑھ ضلع پٹنہ ایک بار مع اہل و عیال زیارت درگاہ کے لئے تشریف لائے تعمیر کا کام جاری تھا خوش ہوئے مزید تعمیر کے لئے مبلغ دو سو پچاس روپے جیب خاص سے بطور بدفعات چندہ کر کے انہیں عنایت کیں، پھر ان کا تبادلہ بانکی پور ہو گیا۔

دوبارہ جہاں آباد آئے تو ان کا ارادہ ترک وطن کا ہوا اور مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کا منصوبہ بنایا۔ قبل ہجرت وہ دوبارہ کاکو آئے اور یہاں دو ہفتہ قیام کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر میں مدینہ نہ جا سکا اور مر گیا تو میری قبر یہیں درگاہ شریف کے احاطہ میں بنوائی جائے۔ راقم الحروف سے ملے کر انہوں نے آثار کاکو پر سے حالا

جہاں تک قلم بند ہو سکے یہ سن کر فرمایا کہ اس کی طباعت ہو جائے تو ایک جلد مجھے ضرور عنایت ہو۔ ان کو روضہ بی بی کمال سے خاص الفت و عقیدت تھی۔

الغرض وہ بغرض ہجرت یکم اپریل ۱۹۰۶ء کو جہان آباد اسٹیشن سے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر بڑا مجمع ان کو رخصت کرنے کو موجود تھا۔ راقم الحروف نے اس موقع پر ایک قطعہ تاریخ منظوم لکھا تھا وہ پڑھ کر سنایا۔ وہ قطعہ اسی زمانے میں اخبار الپنچ بانکی پور پٹنہ طبع ہوا۔

مختصر یہ کہ جناب ڈپٹی صاحب موصوف ملازمت اور اہل و عیال کو خیرباد کہہ کر عشق رسول میں سرشار مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

ہر شئے تیری جنت میں محبت والے
ان پر رشک آتا ہے یہ لوگ ہیں قسمت والے

قسمت دیکھئے کہ ان کو سلطان المعظم خلیفہ وقت کی جانب سے خدمت جاروب کشی مسجد نبوی سپرد ہوئی۔ وہاں وہ سخت بیمار پڑے تو تبدیل آب و ہوا کے لئے گھر لوٹ آئے اور کچھ دنوں کے بعد پھر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ اور پھر وہیں کی خاک میں پیوند زمیں ہو گئے ہے

پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

درگاہ شریف کا بیرونی پھاٹک جو سڑک کے دکھن واقع ہے اور کافی بلند ہے کہنگی کے باعث گر گیا تھا۔ از سر نو ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں جناب سید شاہ مختار کریم سجادہ نشین نے اسکو اپنے خرچ خاص سے بنوا دیا جو آج تک مستحکم طور پر قائم ہے۔ اس کی تعمیر بودھ کے ایک راج مستری غوثی نے کی تھی۔

مزار شریف کے اندر احاطہ میں اس کی پائینتی میں دیوار سے متصل ایک

مزار ہے کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کی خادمہ دائی بیگو کی قبر ہے۔ حلقہ کے باہر صحن میں جانب مغرب شمالی کھٹ سے متصل آپ کے استاد شاہ محمد فرید کا مزار ہے۔ اور ان کے گھوڑے کا مزار بھی وہیں پر واقع ہے۔ اس سے متصل دوسرے چبوترے پر آپ کے خادم فہیم کی قبر بتائی جاتی ہے۔

آپ کی ڈولی کے چار کہاروں کی قبر بھی وہیں پر بنی ہوئی ہے۔ دیوار سے متصل دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ چوہے اور بلی مدفون ہیں۔

قیاس ہے کہ پرانی زبانی روایات کی بنا پر تعمیر درگاہ کے وقت یہ قبریں یادگار کے طور پر پختہ بنوا دی گئی ہوں گی۔

مزار شریف کے حلقے سے باہر پچھم جانب چند پختہ مزارات کے نشان زیر زمین نظر آتے تھے کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ ایک شخص گھسیٹ راج کو خواب میں یہ حکم ہوا کہ ان مزارات کو مرمت کر دو۔ اس نے مرمت کے لئے جو زمین کھودی تو چند مزارات پختہ مسلم نظر آئے، ان کو اس غریب نے پورے طور پر مرمت کر دیئے۔ اور جب تک وہ زندہ رہا ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ بے مرمت ہو گئے تو چند سال ہوئے بستی کے ایک ساکن ملک محمد اسحاق صاحب نے اپنے خرچ سے ان مزارات کو پھر سے بنوا دیا اور دیواریں بھی درست کروا دیں۔

ان مزارات کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مخدومہ بی بی کمال کے خاندان کے عزیزوں کی ہیں۔ اور جب حضرت مخدومہ کی نیاز دی جاتی ہے تو اس کے ساتھ یہاں بھی ندر و نیاز کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

احاطہ عید گاہ میں بھی بہت سی ایسی قبریں باشندگان کاکو کی پختہ و خام ہیں۔ چنانچہ صحن عید گاہ میں بھی ایک قبر بتائی جاتی ہے کہ یہ شیخ محمد شمس الدین دوانقی کی اولاد میں کسی کی ہے۔
یہ بزرگ ہمارے جدی سید شاہ حاجی عبدالرحمان محامدؒ کی اہلیہ کے قرابت مندوں میں سے تھے۔ اس لئے مولف کتاب ہذا کو بھی ان سے نسبت قرابت ہے۔

احاطہ درگاہ اور عید گاہ کے اندر اور باہر بھی پورب طرف کثرت سے مزارات ہیں جن کی نشاندہی ممکن نہیں۔

درگاہ کی تولیت

اس درگاہ میں سجادہ نشینی کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے متوسلین اور خدام تھے وہی درگاہ کی نگہداشت اور زائرین بالخصوص حاجت مندوں کے قیام وغیرہ کے نگراں رہتے آئے۔ ان لوگوں کی ایک چھوٹی سی بستی درگاہ سے متصل بنام بی بی پور موجود ہے۔ یہیں کے ایک باشندے محمد عباس ولد شاہ محمد حافظ ولد شاہ دیدار علی جو درگاہ کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اور ہنوز کم سن تھے کہ یکایک وبائی مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔
یہ واقعہ تیسری رجب ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۷ء کا ہے۔
اب بستی والوں کو فکر ہوئی کہ کسی کو درگاہ کا متولی منتخب کیا جائے چنانچہ زمینداران کاکو نے ایک جلسہ میں ۷ ربیع الاول روز پنجشنبہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء کو مولوی حکیم سید محمد سعید صاحب کاکوی کو جن کا تعلق دانا پور سے بھی ہے۔ اور جو شاہ محمد حافظ مذکور کی بیٹی کے پوتے ہیں درگاہ کا متولی منتخب کیا اور ان کے سر پر اس

اس خدمت کی پگڑی باندھی گئی۔

چوں کہ حکیم صاحب مذکورہ کا قیام بہ سبب پیشۂ طبابت کاکو میں نہیں رہتا اس لئے انھوں نے اپنا نائب مقرر کر دیا ہے۔ وقتاً فوقتاً یہاں آکر دیکھ بھال کر لیتے ہیں۔

درگاہ کی جاگیر جس زمانے میں درگاہ کی تعمیر ہوئی تھی اسی کے ساتھ شاہی جاگیر بھی عنایت ہوئی تھی۔ امتدادِ زمانہ سے نہ اب اس جاگیر کا پتا ہے اور نہ اس کا نشان۔

درگاہ کے اخراجات کے لئے مستقل آمدنی کا اب کوئی ذریعہ نہیں۔ اٹھ بیگھے اور میلے کی وقتاً فوقتاً آمدنی سے کچھ رقمیں ملیں تو ان سے مرمت مکان وغیرہ میں سہولت ملی۔

اکثر عقیدت مند حضرات نے خرچ خاص سے تعمیری کاموں میں مدد پہنچائی۔

زائرین اور حاجت مندوں کی کثرت تو اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کے قیام کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے تعمیرات میں توسیع کی جائے۔

بستی کی کثرت آبادی کے خیال سے جو عید گاہ ہے اس کی توسیع کی بھی ضرورت ہے۔ یہاں دور دور سے لوگ آتے ہیں اور جگہ کم پڑ جاتی ہیں۔

روغنی اینٹ درگاہ کے اندرونی دروازہ سے ملحق جو جنوبی دیوار ہے اس میں ۴ فٹ کی بلندی پر ایک خوش نما چھوٹی سی اینٹ لگی ہوئی ہے۔ یہ نہایت صاف، شفاف اور زنگاری رنگ سے منقش ہے۔ اس کے متعلق لوگوں کا گمان ہے کہ کسی متبرک مقام سے لاکر لگائی گئی ہے، اور یہ بھی دستور چلا آرہا ہے کہ زائرین اور عقیدت مند لوگ اپنی انگلیوں کو اس سے مس کرکے آنکھوں پر پھیر لیتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے آنکھوں میں روشنی بڑھتی ہے اور برقرار رہتی ہے۔ یہ عمل بربنائے عقیدت ہی ہی مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خدا نے دنیا کی ہر چیز میں کچھ نہ کچھ خاصیت رکھی ہے جس میں عقل کو کچھ دخل نہیں فیضی نے سچ کہا ہے ؎

سبلِ خاصیت و جوہر بہ گل گشت

یک ذرہ ندیدہ ام دریں دشت

حضرت مخدومہ کا عرس یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے نہ ولادت کا سال معلوم ہے اور نہ وفات کا۔ آپ کے والد ماجد حضرت شہاب الدین پیر جگجوت اور آپ کے ہمشیر زاد حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری کے سنین ولادت و وفات کی روشنی میں قیاساً یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدومہ

کی ولادت ساتویں صدی ہجری کے اولین ربع میں اور وفات اسی صدی کے لگ بھگ آخر میں واقع ہوئی ہوگی۔ یعنی سنہ ۶۰۰ھ تا سنہ ۶۹۹ھ میں۔

طبقہ اناث کے کسی ولیہ کاملہ کے دست مبارک پر بیعت کا کوئی سلسلہ نہ کبھی سنا گیا اور نہ اس کا امکان ہے۔ اس نے حضرت مخدومہ مرحومہ مذکورہ کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، بعد میں آپ کے معتقدین، متوسلین، مجاورین خدام درگاہ۔ نے آپ کی سالانہ نذر و نیاز کا سلسلہ قائم کیا جو آج تک قائم ہے۔ وفات کا تو کوئی سال معلوم تھا اور نہ قمری مہینہ کا مگر زمانہ دراز سے نہ جانے کس روایت کی بنا پر ہندی ماہ بھادوں کے آخری جمعرات کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔ اور اس کی نوعیت یہ ہے شیر برنج یعنی کھیر نیاز کی جاتی ہے، اور بستی کے خواص و عوام میں تقسیم ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے بھی آپ کا سالانہ عرس قل جاری کر دیا ہے۔ فاتحہ کے بعد شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔

غازی میاں کے سالانہ میلہ کے موقع پر جو جیٹھ کے مہینے کا ہوتا ہے اور شربت تقسیم ہوتا ہے۔

ابھی بھی وقتاً فوقتاً زائرین اور حاجت مند جو درگاہ کی زیارت کو آتے ہیں، وہ مزار مبارک پر چادر چڑھاتے ہیں اور نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہے۔

کرڑاہ

خاص حلقہ مزار شریف کے پورب اتر رخ کو جو ایک راستہ زنانہ آمد و رفت کے مخصوص ہے وہاں پر ایک سیاہ رنگ کا پتھر رکھا ہوا ہے اس کی لمبائی تقریباً ۵ فٹ اور چوڑائی تین فٹ ہو گی۔ یہیں پر آسیب زدہ یا مرض جنون میں مبتلا مرد اور عورت بیٹھتے ہیں۔ ان پر کیفیت جنونی پیدا ہوتی ہے۔ چند دنوں کے بعد صحت یاب ہوتے ہیں۔ پہلے۔ پتھر سالم تھا۔ عرصہ ہوا ایک آسیب زدہ شخص نے اس کو اٹھا کر دے پٹکا اس سے یہ دو ٹکڑے ہو گیا یہ میری یاد کا واقعہ ہے۔ اس وزنی پتھر کو اٹھا کر توڑ دینا بھی ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس پتھر پر جو عبارت کندہ ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کسی مسجد کا کتبہ تھا۔ مسجد کا اب کوئی نشان نہیں پایا جاتا کہ کہاں تھی۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر ۷۹۹ھ میں بہ عہد محمود شاہ بن محمد شاہ تغلق ہوئی۔ محمود شاہ تغلق فیروز شاہ تغلق کا پوتا تھا اس کا دور حکومت ۷۹۵ھ تا ۸۱۷ھ ہے۔ اسی کے عہد میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔

اس کتاب پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے:-

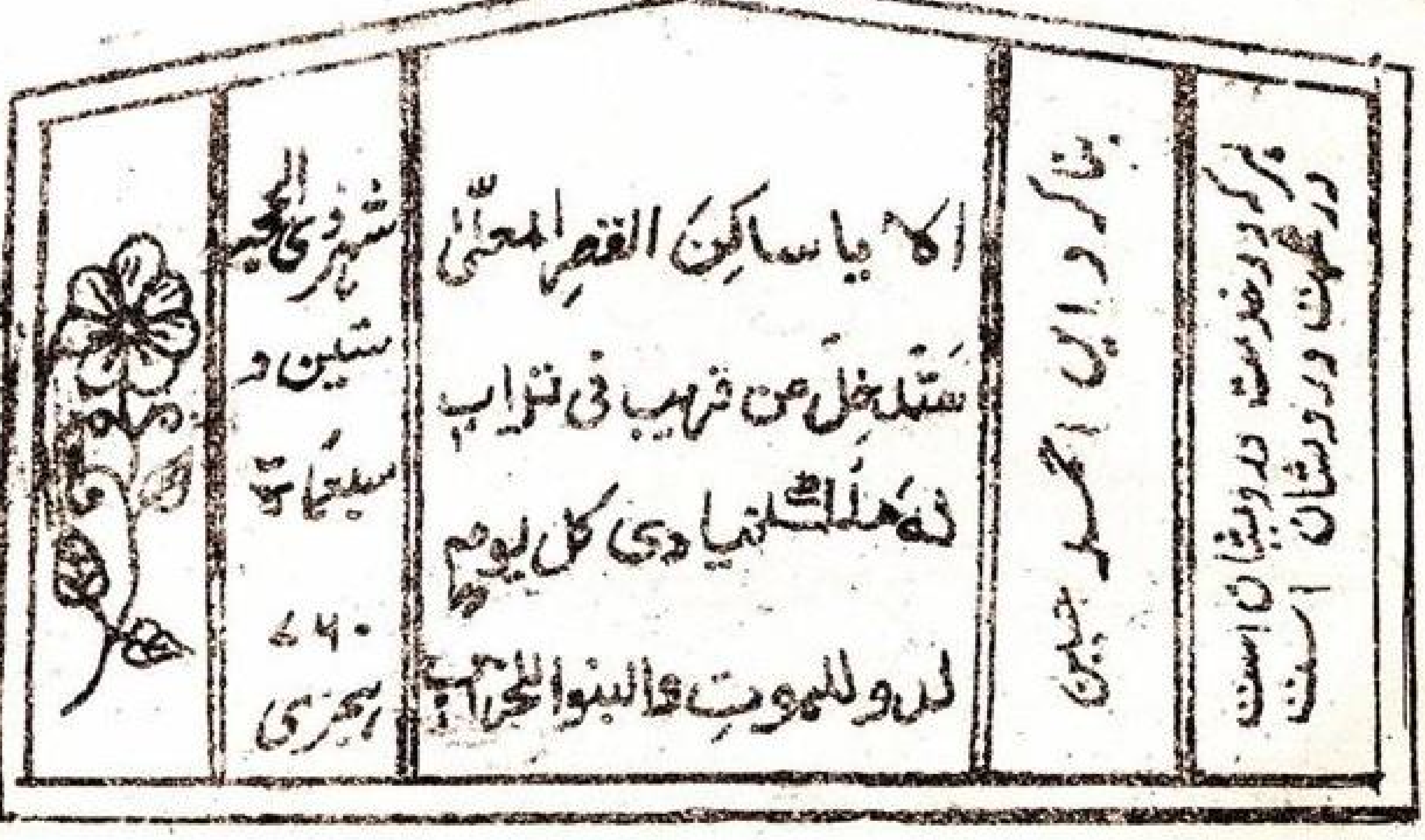
قال النبی علیہ السلام من بنیٰ مسجداً للّٰہ بنی اللّٰہ لہ بیتاً مثلہٗ فی الجنۃ۔ اس کے بعد یہ اشعار ہیں:-

عہد ... ظل اللّٰہ ... شاہ محمود بن محمد شاہ

وقت خان معظم واعظم	در تہ باد کلہ ولی اللہ
عزدیں زیں عمارت مسجد	گرددا امیدوار عفو گناہ
یارب از فضل خود بیاعرسن	بندۂ تو بتو گرفتہ پناہ
قبہ گنبد و بلند حد زدنش	در بود دہ بہ فرق چرخ کلاہ
سال در ہفصد و نود شہ بود	شد مرتب بہ عشر ششتہ الہ

درگاہ کے اندر جانے کا دروازہ

یہ دروازہ بھی کافی بلند اور کشادہ ہے۔ اس میں کواڑ نہیں برابر کھلا رہتا ہے۔ اس دروازے پر ایک کتبہ بہ خط طغرا منقوش ہے جو اینٹوں پر کھدا ہوا ہے۔ کہنگی کے باعث کچھ حروف مٹ گئے ہیں جو باقی ہیں وہ صاف طور پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ کتابہ پانچ خانوں میں بٹا ہوا ہے جس کی عبارت درج ہے۔



حضرت مخدومہ کے شوہر

یہ روایت بالاتفاق بیان کی جاتی ہے کہ حضرت مخدومہ بی بی ہیبہ عرف بی بی کمال قدس سرہا کی شادی حضرت شیخ سلیمان لنگر زمیںؒ بن حضرت مخدوم عبدالعزیزؒ بن حضرت امام تاج فقیہ قدس سرہٗ سے ہوئی تھی۔ ان کے مزید حالات آئندہ صفحات میں ملیں گے۔ حضرت مخدوم یحییٰ منیری حضرت سلیمان لنگر زمیں کے چچا زاد بھائی تھے اور دونوں ہم زلف بھی ہوئے

اولاد

یہ بھی اتفاق رائے سے ثابت ہے کہ حضرت مخدومہ کے ایک صاحب زادے شاہ عطاء اللہ تھے اور ایک دختر بی بی دولت تھیں وہ بھی والدہ ہی کے نام پر بی بی کمال ثانی مشہور ہوئیں۔ حضرت شاہ عطاء اللہ کا مزار کجاوال میں ہے۔ حضرت بی بی دولت اپنی والدہ کے پہلو میں آسودہ ہیں اور دونوں ماں بیٹی کا مزار ایک ہی چبوترے پر ہے اور اوپر سے ایک ہی تعویز ہے۔ جو کافی بلند اور وسیع ہے۔ حضرت مخدومہ کا یہ قول مشہور ہے کہ "میری دولت میرے پاس"۔ حضرت بی بی دولت (بی بی کمال ثانی) کی شادی مخدوم حسام الدین مانسی سنہاروی سے ہوئی تھی ان کے بڑے مخدوم غریب حسین دھکڑ پوش تھے۔ دونوں کا مزار نہیں پائیں

مزار حضرت خواجہ تقی الدینؒ مہسوی کے ہے۔
حضرت عطاء اللہؒ کے چھ لڑکے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔
(۱) شفیع الدین عطا (۲) شمس الدین عطا (۳) تاج الدین عطا
(۴) سراج الدین عطا (۵) صلاح الدین عطا اور (۶) قطب الدین عطا

ایک غلطی کا ازالہ

ایک روایت یہ بھی سننے میں آتی ہے کہ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمین قدس سرہٗ نہ تھے بلکہ حضرت حسام الدین ہانسی مہنازوی تھے اور بیٹے کا نام مخدوم غریب حسین دھکڑ پوش تھا۔ یہ روایت قابل قبول نہیں اس لئے کہ شواہد بہت کمزور ہیں اس کے برخلاف حضرت سلیمان لنگر زمین کا شوہر ہونا مختلف ذرائع سے قابل وثوق ہے۔ اس اختلاف کا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ تحقیق کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اگر قدیم سفینے کہیں سے برآمد ہوئے تو پھر غور و فکر کے لئے نئی راہیں نکلیں گی۔

جتنے شواہد مجھے اب تک ملے ہیں ان کی سند سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے کہ آپ کے شوہر حضرت شہ ہر حضرت سلیمان لنگر زمین ابن مخدوم عبدالعزیز بن حضرت تاج فقیہہ فاتح منیر تھے اور آپ کے صاحب زادے کا نام حضرت مخدوم شاہ عطا اللہ تھا جو کچھ دن وہاں میں رہے اور وہیں مزار بھی ہے۔ کچھ واں منیر شریف سے متصل ریلوے اسٹیشن کے پاس ہے۔ یہ بھی اطلاع ملتی ہے کہ آپ کے چچا

حقیقی یعنی حضرت جلال الدین رح منیری کی شادی کچادان میں ہوئی تھی مزار شریف لب تالاب درگاہ ہے۔ گمان یقین ہے کہ حضرت مخدوم عطا کراللہ کی شادی بھی وہیں ہوئی ہو اور وہ کچادان ہی میں مقیم رہے۔ ان کی اولاد خود کچادان اور دیگر مقامات مثلاً داناپور، پٹنہ، باڑھ، بہار، خسرو پور، نوادہ، مدرا تالاب، پھلواری شریف کاکو، شیخ پورہ (مونگیر)، ہلسہ، استھوا وغیرہ میں کثرت سے پھیلی ہوئی ہے بہتوں کے نسب نامے شایع ہو چکے ہیں۔

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی ایک دختر بھی تھیں جن کا نام بی بی دولت تھا مگر عرف عام میں یہ بھی بی بی کمال ہی کہلاتی تھیں یعنی بی بی کمال ثانی۔ ان کا مزار کاکو میں ان کی والدہ ماجدہ کے ساتھ ایک ہی مقبرہ میں ہے۔ غلط فہمی اس بنا پر ہوئی کہ دونوں ماں بیٹی ایک ہی نام سے معروف تھیں۔ یعنی بی بی کمال۔ ماں کا نام بی بی ہدیہ تھا اور بیٹی کا نام بی بی دولت۔ حضرت بی بی کمال اول کی شادی حضرت سلیمان لنگر زمین سے ہوئی جو حضرت تاج فقیہہ کے پوتے تھے اور حضرت بی بی کمال ثانی کی شادی حضرت حسام الدین رح سے ہوئی تھی۔ دو ایک سفینوں میں جو یہ اندراج ملتا ہے وہ بربنائے غلط فہمی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ سفینے قدیم بھی نہیں + حضرت عمی شاہ غزالی مرحوم ناقل تھے کہ ان کے پاس ایک سفینہ حضرت مخدوم صوفی ضیاء الدین جندھوسی مرید و خلیفہ حضرت مخدوم غریب حسین دھکرپوشش رح کا تھا اس میں یہ مرقوم

تھا کہ حضرت حسام الدین ہانسی مہاروی حضرت بی بی کمال کے شوہر تھے اور حضرت مخدوم غریب حسین دھگڑ بلاش بیٹے تھے مگر افسوس کہ یہ رسالہ نذر آتش زدگی ہو گیا۔ راقم الحروف نے ہر چند دوسری جگہوں میں اس رسالہ کی جستجو میں بڑی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ اگر واقعی یہ رسالہ قدیم دستیاب ہو جائے تو پھر اس پر مزید غور و خوض کی ضرورت پڑے گی۔ قیاس یہی ہے کہ یکساں ناموں کے اشتباہ سے یہ غلط فہمی ہوئی ہو گی۔

میں نے حضرت پیر و مرشد شاہ محمد سجاد علیہ الرحمہ اور ان کے جانشین استادی شاہ محمد اکبرؒ سے بھی استفسار کیا تو فرمایا کہ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر حضرت سلیمان لنگر زمیں ہی تھے اس میں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے

جناب مولوی شاہ وحید الدین احمد ساکن شیخ پورہ (مونگیر) اور اس خاندان کے اور لوگ یہی فرماتے تھے۔ مولوی شاہ محمد ظہور الحق مرحوم ساکن استھاوا (گیا) جو ایک بزرگ اور محقق انساب تھے انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ اس کی تصدیق کئی اور کتابوں سے بھی ہوتی ہے مثلاً تذکرۃ الکرام مؤلفہ مولوی سید محمد کبیر مرحوم داناپوری کنز الانساب مؤلفہ جناب حاجی سید شاہ عطا حسینؒ مولانا داناپوری مرقداً گیا، الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور (پٹنہ) مؤلفہ مولوی عبد الرحیم، آثار شرف مؤلفہ قاضی سید نور الحسن خاں بہادر شمیر گھاٹی (گیا) انساب شرفی مؤلفہ سید

شاہ شہامت حسین صاحب ساکن موضع مخدوم پور (پرگنہ اردل) اور دیگر قدیم تحریرات و شجرہ جات جو خاندان حضرت مخدوم سے مختلف مقامات میں سکونت پذیر لوگوں کے پاس تھے انہیں منگوا کر دیکھا تو یہی بات ثابت ہوئی کہ حضرت سلیمان لنگر زمین حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال دختر شاہ شہاب الدین پیر جگجوت کے شوہر ہیں۔ جمہور کا اسی امر پر اتفاق ہے۔

قطعہ تاریخ تعمیر بار دیگر درگاہ حضرت بی بی کمال قدس سرہٗ

از نتیجہ فکر

محمد کاکوی۔ مؤلف کتاب ہذا

شاہ فیروز تغلق عادل ۔۔۔ بود فرماں روائے ہندستاں

لیک می داشت شاہ مرض جذام ۔۔۔ ماندے بر حال خویش گریہ کناں

بود از زیست شاہ آزردہ ۔۔۔ سلطنت را ہمی شدے بہ زیاں

گشت تقدیر شاہ چوں رہبر ۔۔۔ در دلش شد ہدایت پنہاں

بست رخت سفر بزود تمام ۔۔۔ بر ہمہ کس نمود عزم عیاں

از مکاں شد رواں بہ قصد بہار ۔۔۔ کاکو ہم بود منزل سلطاں

خیمہ زد نزد مرقد اقدس ۔۔۔ یعنی بی بی کمال قطب زماں

مرقدش بود کہنہ و معدوم ۔۔۔ ہم زمیں شد مگرد آں ویراں

شاہ دل خستہ بُد ز رنج سفر ۔۔۔ ہم پریشاں حال و تشنہ دہاں

گفت خادم را کہ آب بیار ۔۔۔ خشک از تشنگی شدہ صفت زباں

خندقی کہنہ نزد خیمہ بود ۔۔۔ آب آں بد نہ لائق شاہاں

خادمے آب خنداں آوردہ ۔۔۔ پیش شہ کرد با دل ترساں

چوں کہ بد تشنگی برو غالب ۔۔۔ آب نوشید آں شہ ذیشاں

راحتے یافت در طبیعت خود ۔۔۔ شد مزاجش بحال و ہم شاداں

آب خوردہ اثر بدید آں شاہ ۔۔۔ سبب چوں نیافت شد حیراں

مزار ولیۂ کامل | خادم آں دیار کردبیاں
ایں خبر چوں شنید بے تغولق | شاہ شد بر مزار فاتحہ خواں
حکم تعمیر روضہ جاری کرد | ہم بنا کرد عیدگاہ و مکاں
چاہ را ہم بنائے حکم کرد | "چاہ صحت" نہاد اسم آں
سنت صد بود و ششمت از ہجری | سال تعمیر بار اول آں

(۷۶۰ھ)

از ابتداد زماں کہنہ شود | ہر عمارت بگردشِ دوراں
بعد مدت قریب شش صد سال | بہر تعمیر شد سروساماں
نظم تعمیر بار دیگر ماند | بر من ناتواں د ہیچ مداں
تد مضموں را اتمام بکین | سال تعمیر پرس از رضواں

گفت سال بنائے بار دگر
"روضۂ اقدس ولی زماں"

۱۳۲۰ھ

(۲)

قطعہ تاریخ تعمیر بار دیگر "چاہ صحت" درگاہ شریف

از

حمید کاکوی

چاہ صحت لبستہ نیر دزشاہ | درجوار روضۂ بی بی کمال

آب آں شیریں و ہم سرد و سبک | صاف چوں آب رواں گوہر مثال
ہست تاثیر شفا در آب آں | از دعائے حضرت بی بی کمال
منہدم گردید چوں از کہنگی | ماند تشنہ لب خلائق چند سال
ہست مولانا ولی اللہ شاہ | کاکو مسکن ولد آں والا خصال
در گیا مختار کاری می کند | در فروغ او نیاید کم زوال
زوجہ اش چوں سالہا ماندہ علیل | از قضا آخر نمودہ انتقال
ہمتی فرمود بر تعمیر چاہ | تا بماند یادگارش بے مثال
نظم تعمیرش بدست من بداد | شد تمام از فضل رب ذوالجلال
حق تعالی بخشدش اجر عظیم | در جہاں دید جاہ و ہم جلال
شاہ نور اللہ فرزندش بود | ذی علوم و ذی عقول و خوش خصال
در گیا او می کند بیرسٹری | حق دہادش ہر فروغ لازوال
شاد باشد یا الٰہی دائما | بر رخش تا دید کس نبود ملال
بہر تاریخ بنائے چاہ جستم | از جناب خضر چوں کردم سوال

گفت او - "دوبارکش از چاہ آب"
سال گردد "چشمۂ فیض کمال"

تاریخ در نثر

"مولوی محمد ولی اللہ صاحب ساکن کاکو نے اپنی اہلیہ کی یادگار میں یہ کنواں بنوایا"

۱۳۲۲ھ

دیگر

"مولوی محمد ولی اللہ صاحب مختار نے یہ کنواں بنوایا"

۱۹۰۴ء

مدرسہ حنفیہ

۱۳۰۹ھ میں مولوی یوسف حسین اور مولوی عبدالعزیز نے ایک منصوبہ بنایا کہ اس بستی میں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جائے۔ جہاں تعلیم کا معقول انتظام ہو اور بستی کے خواص و عوام کے لڑکے تعلیم پائیں۔ چنانچہ منشی عبدالرحیم، ملک نہایت حسین شیخ نورالحسن منشی یاسین الحق اور ملک شرافت حسین نے ایک عام جلسہ راقم الحروف کے مکان میں منعقد کیا مدرسہ کے قیام کی اہمیت بیان کی گئی اور بالاتفاق یہ رائے ہوئی کہ مدرسہ کی بقار کے لئے چندہ دینے والوں کی فہرست بنائی جائے۔ اخراجات کے لئے ماہانہ رقم وصول کی جائے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ منشی عبدالرحیم صاحب سکریٹری نامزد ہوئے۔ اور مؤلف تذکرہ ہٰذا اس کا خازن مقرر ہوا۔ چند اراکین مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ الغرض یہ مدرسہ قائم ہوگیا۔ اور ملک لوٹا مین بہ مکان بنگلہ ملک نہایت حسین مرحوم تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ماہانہ چندہ کے علاوہ چرم قربانی اور ہر گھر سے مٹھیا

وصول کرنیکا بھی نظم ہوا۔ اس طرح یہ مدرسہ بڑی خوبی سے چلتا رہا۔ اردو فارسی اور کلام مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ انگریزی تعلیم کا بھی سلسلہ رہا مگر آپکی تنگ تقرری اور اختلاف باہمی کے باعث کشیدگی پیدا ہوئی اور اختلاف نے اتنا رنگ پکڑا کہ اندازہ تھا کہ یہ مدرسہ ہی معرض خطر میں آجائے۔

بارے دانشمندانہ طور پر یہ رائے قائم ہوئی کہ مدرسہ اور اسکول کے دونوں شعبے الگ الگ کردیئے جائیں۔ چنانچہ منشی عبدالرحیم اور منشی عبدالحلیم صاحبان نے مدرسہ کو جو اپنی تعلیم کا حامل تھا اپنے مکان میں لے گئے اور مولوی یوسف حسین اور مولوی عبدالعزیز نے اسکول کو سنبھالا۔

اس اسکول کا سالانہ جلسہ اس موقع پر رکھا گیا جبکہ بستی میں شیخ الرئیس جناب عبدالرحمٰن صاحب کے صاحبزادے مسٹر داؤد (جو بعد میں بارایٹ لا ہوئے) کے مکتب کی تقریب انجام پانے والی تھی۔ اس تقریب میں باہر سے مہمان شرکت کے لئے باہر سے آئے جن میں چند کے نام یہ ہیں۔

جناب سید شاہ مبارک حسین مبارک کاکوی حال مقام پٹنہ، نواب سرفراز حسین خاں ساکن پٹنہ، مسٹر سید شرف الدین بارایٹ لا پٹنہ، مسٹر سر سید علی امام بارایٹ لا۔ جناب نیھنے نواب صاحب دمنی گیا۔ جناب حافظ فضل حق

آزاد عظیم آبادی، مسٹر نوراللہ شاہ بار ایٹ لا گیا وغیرہ
الغرض یہ جلسہ بڑے کر و فر سے منعقد ہوا۔ اس جلسہ کی صدارت
نواب سرفراز حسین خان عظیم آبادی نے فرمائی۔ جناب آزاد نے
ایک پرجوش نظم جو خاص اسی موقع کیلئے کہی گئی تھی جلسہ
میں سنائی۔ غرض کچھ دنوں تک یہ اسکول چلا پھر بند ہو گیا
مگر مدرسہ جو دینی تعلیم کے لئے تھا وہ حسب دستور چلتا رہا۔
جب منشی عبدالرحیم کا انتقال ۵ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ میں ہوا تو
ان کے بھائی منشی عبدالحلیم نے اسی مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ
میں لیا اور اس کو ایک عرصہ تک قائم رکھا۔ یہاں بہت سے
طلباء فارغ التحصیل ہو کر نکلے جب ان کا بھی انتقال ہو گیا
تو یہ مدرسہ بھی ختم ہو گیا۔

اسکول دورِ اوّل

مدرسہ حنفیہ کی بنیاد سے چند سال پیشتر بستی کے دو مقتدر
رئیس اور روشن خیال حضرات تھے جن کے اسمائے گرامی مولوی
یوسف حسین اور مولوی عبدالعزیز تھے اور جو سر سید تحریکِ تعلیم
سے متاثر تھے یہ ضرورت محسوس کی کہ بستی میں تعلیم کا رواج ہو
خاص کر دورِ جدید کی تعلیم جس سے یہاں کے لڑکے علم حاصل
کر کے معاشی حالت درست کریں اور سماج کے انسان بنیں۔

اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسکول کھولا گیا۔ مگر بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی۔ ان دونوں برادران نے مدرستہ العلوم علی گڑھ کے طرز پر چھوٹے پیمانے ہی پر سہی بستی میں اسکول، اقامت گاہ وغیرہ کا منصوبہ بنایا۔ نصاب تعلیم مرتب ہوا اور اقامت گاہ میں قیام کے لیے قواعد و ضوابط بھی مرتب ہو کر چھاپے گئے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ منصوبہ شرمندہ تکمیل نہ ہو سکا۔

مطبع اور اخبار

یہ امر موجب حیرت بھی ہے اور مسرت بھی کہ ایک دیہات میں جناب مولوی یوسف حسین صاحب نے ایک مطبع قائم کیا۔ وہ بڑے جدت پسند اور اولوالعزم انسان تھے۔ مطبع تو مطبع انہوں نے ایک اخبار بھی یہاں سے جاری کیا جس کا نام کحل البصر تھا۔ کئی شمارے نکلے مگر پھر یہ اخبار مالی مشکلات کی نذر ہو کر بند ہو گیا۔ اسی مطبع سے ایک فارسی کتاب "مکتوبات ابوالعلا" شائع ہوئی۔ حضرت امیر ابوالعلا قدس سرہ جن کا مزار مبارک آگرہ میں ہے اور جو سلسلہ ابوالعلائیہ کے بانی ہیں ان کے فارسی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ جو ڈیمائی سائز کے ۷۶ صفحات کو محیط ہے۔ لوح پر یہ عبارت ہے۔

مکتوبات ابوالعلاء

بہ حسن تصحیح و تمام تنقیح طلوع ساختہ در کاکوپریس ضلع گیا باہتمام جناب محمد یوسف صاحب طبع شد۔

خاتمہ پر تحریر ہے کہ کتاب فیض انتساب حضرت سید نا امیر ابوالعلا قدس سرہٗ و بہ حسن ایں تصحیح بتاریخ ۲۰ شعبان المعظم سنہ (؟) کاکوپریس باہتمام جناب مولوی محمد یوسف صاحب مالک و منیجر مطبع بقالب در آمد۔

احقر العباد آل احمد عظیم آبادی تحریر نمود

[نوٹ :۔ یہ کتاب مرتب کتاب ہذا کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا سال طبع ۱۳۱۱ھ ہے جو قطعات تاریخ طبع سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مطبع آج سے تقریباً سو سال پہلے کاکو ایک دیہات میں قائم ہوا اور وہاں سے اسی زمانے میں ایک اخبار کحل الجواہر بھی نکلا۔ مرتب کتاب ہذا نے اپنے لڑکپن میں اس اخبار کا ایک شمارہ دیکھا تھا۔ جو حضرت والد ماجد رح کے کاغذات کے انبار میں تھا۔ افسوس ہے کہ اب وہ ضائع ہو گیا۔

مکتوبات ابوالعلا کی اشاعت کا قطعہ تاریخ جناب مولوی سید محمد قادر رضا صاحب رضوی کاکوی نے لکھا۔ جس کا مادہ تاریخ یہ ہے ؎ از سر بام چرخ گفت رضا + در حقیقت کلام شمس نجی است

۱۳۱۱ھ

دوسرا قطعہ تاریخ حضرت والد ماجد سید شاہ غفور الرحمن حمد کاکوی ابوالعلائی (رحمۃ اللہ علیہ) داناپوری مدظلہ کا ہے۔ آخری شعر یہ ہے ؎ چوں ضمیم بکنی سرہدایت + سالش گردد "چراغ ایماں"
[illegible]ھ

ان دو قطعات سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب آج سے تقریباً سو سال پہلے کاکو پریس میں چھپی۔ وہی زمانہ اخبار کی طباعت کا بھی ہے۔ مرتب]

اسکول دور دوم

تخمیناً تیس برس ہوئے ہوں گے (ترتیب کتاب کے وقت) کہ برادرم مسٹر نوراللہ شاہ بیرسٹر ایٹ لا جو رہنے والے تو مظفرپور کے تھے مگر کاکو میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ اور گیا میں بیرسٹری کرتے تھے، وہ گیا سے ایک بار آئے تو مولوی یوسف حسین صاحب اور شیخ عبدالرحمن کاکوی سے کہا کہ اس بستی میں کوئی اسکول نہیں ہے جہاں انگریزی کی تعلیم ہو۔ اگر کوئی مناسب مکان کسی کا مل جائے تو اس کی داغ بیل ڈالی جائے تو ڈسٹرکٹ بورڈ سے اس کی مناسب امداد مل سکتی ہے۔ چنانچہ سبھوں کو یہ رائے پسند آئی اور مکان کی تلاش ہوئی۔

الغرض ملک ٹولہ کے بنگلہ میں جو ملک زیارت حسین وغیرہ کی ملکیت میں تھا اسکول کی بنیاد پڑی، وقت کا تقاضا تھا طلباء کی تعداد بڑھی، ڈسٹرکٹ بورڈ سے بھی امداد ملنے لگی اور پھر اس کی اپنی عمارت تکیہ شاہ ماہر دین بستی سے پچھم بنی بحمدللہ یہ اسکول بحسن وخوبی چل رہا ہے اور ترقی پر گامزن ہے، فی الحال اس کے سکریٹری خان بہادر سید محبوب عالم صاحب رئیس بنجورہ ضلع گیا ہیں جو کاکو سے الفت بھی رکھتے ہیں اور خاندانی تعلق بھی۔ طلبا کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ بستی کے چند لوگ اس کے اراکین مجلس انتظامیہ ہیں۔

[نوٹ:- یہاں یہ امر بھی واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ بستی کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ترقی کے پیش نظر یہ بات محسوس کی گئی کہ یہاں ایک ہائی اسکول بھی کھولا جائے تاکہ یہاں کے اور اطراف وجوانب کے طلبا جو جہاں آباد جاکر مزید تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کو آسانی ہو۔ اسی جذبے سے متاثر ہو کر بعرصہ ہوا ایک ہائی اسکول، مڈل اسکول کے قریب ہی کھول دیا گیا۔ میلے کی آمدنی سے اس کی عمارت بنی اور اب وہ حسن وخوبی کے ساتھ چل رہا ہے یہاں کے لوگوں نے بھرپور کوششیں کیں خاص کر ملک محمد عمر صاحب کمپونڈر پلیش پلیش تھے۔ اور انہماک کے ساتھ ہائی اسکول کی عمارت کھڑی کرنے میں مستعد تھے۔

ہائی اسکول ہے کیونکہ بہ لحاظ ضرورت کی بنا پر کالج کے قیام کا بھی ڈھول ڈالا گیا اور جناب شیخ عبدالرحمٰن مرحوم رئیس کاکوگی عالی شان کوٹھی میں کرایہ پر کالج کھولا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ بحسن وخوبی چلے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک دو مہینے سے کالج کی بھی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ مگر وہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔" مرتب"]

مسجد قدیم پختہ

یہ مسجد حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی قدس سرہٗ کے زیر اہتمام شیر شاہ بادشاہ کے عہد میں شاہی خرچ سے تعمیر ہوئی ہے اندر سے ایک ہی گنبد ہے مگر باہر سے دو فرضی گنبد اور بنا دیئے گئے ہیں۔ یہ مسجد خدا کے فضل سے بہت آباد ہے۔ پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی یہیں ہوتی ہے۔ کنواں اور غسل خانہ کے علاوہ ایک مسافرخانہ بھی اس مسجد سے منسلک ہے۔ رمضان شریف میں ختم تراویح کا بھی انتظام ہے۔ اس مسجد سے متعلق کوئی جائداد وقف نہیں ہے۔ چندے پر اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ یا میلے اور "اکٹھ تیجھے" کی آمدنی سے موذن کا مشاہرہ دیا جاتا ہے پیش امام کوئی مستقل مقرر نہیں۔ اس مسجد کا طول ۱۶ ہاتھ اور عرض

آٹھ ہاتھ ہے۔ ایک وسیع صحن پختہ بھی ہے جو اب اس کی مزید توسیع کر دی گئی ہے۔ یہ مسجد بستی کے پوربی حصہ میں "لب پانی ہانس" جیسے پانی کا خزانہ کہیے پا آہر واقع ہے۔ بڑی پر فضا جگہ ہے۔ سامنے کھلا ہوا میدان ہے۔ اب آب بہت سے لا بنے لا بنے پتھر قرینے سے رکھے ہوئے ہیں جس پر لوگ اکثر تفریحاً جمع ہو کر مصروف گفتگو رہتے ہیں۔

مسجد نو کی بنیاد

بستی کے وسط میں جہاں پر ہفتہ میں دو بار ہاٹ لگتی ہے۔ ایک مسجد کی بنیاد پائی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بستی کے ایک قدیم ساکن قاضی عبد الکریم مرحوم نے جو یہاں کے چند اراضیات الحمہ کے مالک بھی تھے یہ مسجد بنوائی تھی اور انہیں کے نام سے منسوب بھی ہے۔ امتداد زمانہ سے منہدم ہو گئی تھی۔ صرف نشانات باقی تھے کہ اس بستی کے ایک ساکن جناب شیخ نور الحسن مرحوم عرف نوری میاں نے جب اپنا سکونتی مکان بنوانے لگے تو خدا نے ان کے دل میں یہ ولولہ پیدا کیا کہ اس مسجد کو پھر از سر نو بنوایا جائے چنانچہ انہوں نے اس کی بنیاد ڈال دی۔

بنیاد کھودنے میں ایک مٹی کا برتن ملا جس میں کچھ کاغذات

اجنبی حروف میں لکھے ہوئے ملے۔ اس کو انہوں نے بستی کے شیخ الرئیس جناب عبدالرحمٰن صاحب کے حوالہ کیا۔ کہ وہ اس کو جناب خان بہادر اشفاق حسین صاحب ساکن جہان آباد کے پاس بھیجدیں، جو اسوقت عہدہ کلکٹری پر فائز تھے پھر اسکے بعد کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کاغذات کا کیا حشر ہوا۔

جناب شیخ نوری صاحب نے اس مسجد سے متعلق اپنی جائداد سے پانچ بیگھا راضی وقف کردی اور ایک مکان میں تیلی بسادیا کہ وہ مسجد کی روشنی کیلئے تیل فراہم کرتا رہے اس انتظام کے بعد وہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔

حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں بیمار پڑ گئے اور وہیں کی خاک میں پیوند زمین ہو گئے۔ انکے وارثوں نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا، اور ایک حد تک یہ مسجد تکمیل کو پہنچ رہی تھی کہ ایک سال بارش کی شدت کی بنا پر اس کو سخت نقصان پہنچا اور کام رک گیا۔ ایک عرصہ سے یہ مسجد یونہی غیر مکمل حالت میں پڑی ہوئی ہے۔

[نوٹ:۔ مدت مدیدہ کے بعد الحمدللہ اب یہ مسجد پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ بڑی شاندار اور وسیع مسجد ہے۔ اور آباد ہے۔ مرتب]

مدرسہ جدید

یوں تو اس بستی میں کئی بار مدرسے قائم ہوتے رہے آخری دور میں پھر ایک مدرسہ کی بنیاد عزیزی حافظ فخرالدین محمد شمسی ہی کی کوشش سے پڑی۔ یہ مدرسہ مسجد قدیم کے مسافر خانے کی عمارت میں قائم ہوا۔ عزیزی شمسی موصوف خود بڑے فعال اور بستی کے مخلص ہمدرد تھے۔ علمی، ادبی، ثقافتی اور سماجی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے اور دوسروں کو بھی ترغیب عمل دیتے۔

یہ مدرسہ بھی ایک مدت تک علم کی روشنی پھیلاتا رہا پھر عدم توجہی کا شکار ہوکر بند ہوگیا۔

ڈاک خانہ (پوسٹ آفس)

سنہ ۲۳ یا ۲۴ فصلی میں ڈاک خانہ بستی میں کھلا۔ لوگوں کو خط و کتابت میں بڑی سہولت ہوئی۔ جہاں آباد سے ڈاک کا ہرکارہ روزانہ خطوط کا تھیلا لے کر آتا تھا اور پھر مقامی ڈاکخانہ سے ڈاک پیون کے ذریعہ بستی اور اطراف میں خطوط یا منی آرڈر تقسیم ہوتے تھے۔ پہلے یہ ڈاک خانہ بڑا بازار میں کسی ساہو کے مکان میں کرایہ پر تھا پھر بستی کے شیخ نورالحسن صاحب سیٹھ کے مکان میں منتقل ہوا۔ ایک عرصہ کے بعد ملک شمس الحق مرحوم کے مکان میں عرصۂ دراز تک کرایہ پر رہا۔ ابتک اس کی اپنی کوئی عمارت نہیں بنی ہے [نوٹ :- اب اس کا اپنا مکان گورنمنٹ نے بنوا دیا ہے]

مکتب خانہ زنانہ

تقریباً پندرہ برس سے دو مکتب خانہ لڑکیوں کی تعلیم کے غرض سے ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے قائم ہے۔ استانیوں کو معقول مشاہرہ ملتا ہے۔ مگر اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی گئی کہ زنانہ اسکول کے لئے ایک الگ اپنی عمارت ہو۔ عزیزی فخرالدین محمد شمسی جو مولوی یوسف حسین مرحوم کے فرزند ہیں اور صحیح طور پر ان کے جانشین بھی۔ ان کو بھی اپنے والد ماجد ہی کی طرح بستی کے لوگوں کی فلاح و بہبودی اور تعلیم کی طرف رغبت دلی ہے۔ ان کی کوششوں سے بستی کے جنوب میں ایک زمین بہ قیمت پانچسو روپے ڈسٹرکٹ بورڈ کی مالی امداد سے خرید کر اسکول کی بنیاد کا منصوبہ بنایا گیا۔
ایک عظیم جلسہ منعقد کیا گیا۔ اور گرل اسکول کا سنگ بنیاد لیڈی سر علی امام پٹنہ نے بتاریخ ۱۳ محرم روز جمعہ سنہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۳۷ء رکھا۔ اور اپنی جانب سے سو روپے کی رقم عطا فرمائی۔

مجلس اخوان الصفا

۱۲۹۷ھ

بستی کے ایک قدیم باشندے مولوی الطاف حسین تھے جو اپنے زمانہ طفلی ہی میں گھر سے نکلے اور مختلف جگہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی ذریعے سے حیدر آباد دکن پہنچے اور وہاں کے سریر آرائے سلطنت نظام دکن کے ہاں باریابی حاصل کی اور کسی معقول خدمت پر مامور ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد جب وطن کی یاد آئی تو کاکو آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں قیام کیا۔ کاکو میں ان کی جائداد بھی تھی اور سکونتی مکان بھی۔ اسی قیام کے دوران انہوں نے اپنی شادی موضع ارہٹ دولت پور میں کی جو کاکو سے قریب ہی ایک بستی ہے پھر اپنی اہلیہ کے ساتھ حیدر آباد چلے گئے۔ چند سال کے بعد طویل فرصت لے کر معہ اہل و عیال کاکو آئے اور ایک مدت تک یہاں رہے۔ اسی دوران قیام میں انہوں نے اپنی دلچسپی کے لئے ایک مجلس اخوان الصفا قائم کی جس کے وہ خود صدر بنے۔ اسکے سکریٹری ملک شرافت حسین صاحب ہوئے اور چند لوگ اس کے اراکین منتخب ہوئے مجلس کی نشست ہر ہفتہ

ہوتی تھی اور بستی کے معاملات اور آپس کے جھگڑے پر غور و خوض کیا جاتا اور ان کے حل کرانے کی کوشش کی جاتی۔ غرض کچھ دنوں تک یہ مجلس اپنا فرض انجام دیتی رہی مگر اختلافات کا برا ہو کوئی کیسی ہی مفید انجمن یا فائدہ بخش ادارہ قائم کیا جائے دیرپا رہنے نہیں پاتا۔ یہ انجمن بھی اسی طرح ناکامی کا شکار ہوئی صدر موصوف بھی پھر حیدرآباد واپس چلے گئے اور وہاں ان کا انتقال ہوا۔ اہل و عیال حیدرآباد ہی کے باشندے ہو گئے۔ کاکو کا مکان اور جائداد فروخت ہو گئی۔

خانقاہیں

(۱) ایک خانقاہ حضرت سید شاہ محمد عبد الرحمٰن عرف حاجی حاجی محمد اللہ قدس سرہٗ مولف کتاب ہٰذا کے جد اعلیٰ کی ہے۔ پہلے کسی زمانے میں یہ آباد تھی مگر ۱۳۰۲ھ فصلی کی آتش زدگی میں جل کر خاک سیاہ ہو گئی۔ اس کی مرمت بھی نہ ہو سکی۔ سامان خانقاہ بھی کچھ نہ بچا۔ اس خانقاہ میں مجلس سماع کا انتظام نہ تھا مگر جب اس کے آخری سجادہ نشین جناب سید شاہ تبارک حسین کا انتقال ۱۲۹۶ھ میں ہوا تو ہر صفر کو ان کے عرس کے

موقع پر مجلس سماع کا نظم ہوتا تھا۔ آبائی قبرستان ڈیہہ باغ میں چراغاں ہوتا اور مزارات پر چادر بھی چڑھائی جاتیں فقرا و مساکین کو کھانا تقسیم ہوتا اور کپڑے بھی دیئے جاتے۔ فاتحہ میں میٹھی کھچڑی نیاز ہوتی اور ساری بستی و اطراف و جوانب میں تقسیم کی جاتی۔ یہ عرس پہلے بڑے تکلف سے ہوتا تھا اسکا خرچ برادرم خان بہادر سید شاہ محمد کمال نبیرہ حضرت شاہ مبارک حسین موصوف کے ذمہ تھا۔ ابھی تک چھوٹے ہی پیمانہ پر بھی مؤلف کتاب ہذا اس عرس کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

(۲) دوسری خانقاہ جناب سید ابراہیم زندہ دل قدس سرہ کی تھی جو مسجد قدیم کے متصل واقع تھی۔ یہ پختہ عمارت میں تھی مگر امتداد زمانہ سے منہدم ہو گئی۔ صرف اینٹوں کا نشان باقی ہے۔

(۳) تیسری خانقاہ حضرت مولینا شاہ عبدالغنی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی وہ مجلس سماع نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خانقاہ تو درویشوں کی عبادت گاہ ہے۔ ان کا حجرہ اب تک باقی ہے جو برادرم شاہ محمد فرید کے مکان میں ہے۔

(۴) چوتھی خانقاہ حضرت سید شاہ قیام الدین قدس سرہ کی تھی اب وہ سکونتی مکان میں منتقل ہو گئی۔ خانقاہ کا نام و نشان بھی نہیں۔

بڑا بازار

بستی کے شمالی حصے میں جو سڑک جہاں آباد اسٹیشن سے بندھو گنج کی طرف گئی ہے، اسکے دونوں جانب چند گھرانے اگروالوں کے ہیں جو مہاجنی اور تجارت کرتے ہیں۔ ضروریات کی اکثر چیزیں یہاں مل جاتی ہیں۔ چند دکانیں حلوائیوں اور دیگر حرفے کے لوگوں کی ہیں۔

چھوٹا بازار

بستی کے بیچ میں جو گلی لوکل بورڈ کی سڑک سے پورب پچھم آتی ہے اور جو مولوی یوسف حسین اور مولوی محمد العزیز کے سکونتی مکان تک جاکر ختم ہو جاتی ہے وہ گویا یہاں کی صدر گلی ہے اس میں دونوں جانب اتر دکھن اور اس سے جو گلی اتر جانب چلی گئی ہے، اسمیں ضروریات زندگی کے اشیا کی دکانیں ہیں کسی زمانے میں جب کہ پچاس سال سے بھی زیادہ ہوئے یہ بازار بڑا پر رونق تھا مگر اب وہ بات نہیں۔

ہاٹ

بستی کے پچھم جانب موضع سعد اللہ پور کا کوکی اچھائی میں

میں ہر جمعرات اور اتوار کو دس بجے دن سے پانچ بجے شام تک ہاٹ لگتی ہے۔ اجناس اور ہر طرح کی ترکاریاں اور کپڑے بستی اور اطراف و جوانب کے لوگ آکر خریدتے ہیں۔ بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔

میلہ غازی میاں

حضرت سید مسعود سالار غازی کے متعلق مشہور ہے کہ آپ مجاہد اعظم غازی سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے۔ آپ کے حالات کتابوں میں مندرج ہیں۔ آپ میدان جنگ میں بمقام بہرائچ اس وقت شہید ہوئے جبکہ آپ کی شادی رچائی جانیوالی تھی آپ کے وابستگان اور مجاہدین ہر سال جیٹھ کے مہینہ میں آپ کی یاد مناتے ہیں اور رسمی طور پر شادی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کے میلے ہندستان کے اکثر علاقوں میں لگتے ہیں۔ منیر شریف میں غازی میاں کے میلے کے نام سے جشن منایا جاتا ہے۔ اس بستی میں بھی زمانہ دراز سے حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی درگاہ کے پاس یہ میلہ لگتا آتا تھا کچھ دکانیں ادھر ادھر کی آجاتی تھیں عموماً یہاں کے ڈھاری وغیرہ اس جشن کو قائم کئے ہوئے تھے۔ کچھ کھیل تماشے کا بھی سامان رہتا تھا۔ عوام کو خواب جدی

سید شاہ تبارک حسین صاحب کی طرف سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔

پہلے یہ میلہ بہت مختصر ہوتا تھا۔ سنہ ۱۳۰۲ فصلی میں ایک بار کچھ لوگ جناب شیخ الرئیس مولوی عبدالرحمن مرحوم کی کوٹھی میں مجتمع تھے۔ صاحب مجمع میں ایک ملک شرافت حسین صاحب بھی تھے انہوں نے ایک تجویز پیش کی کہ اس میلہ غازی میاں کی توسیع اور جانوروں کی خرید و فروخت کا بھی اگر نظم ہو تو رونق بھی بڑھے گی اور مالی منفعت کا بھی ایک ذریعہ ہوگا۔ یہ بات سبھوں نے پسند کی۔ شیخ عبدالرحمن بستی کے بڑے رئیس اور زمیندار تھے اس میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تمام علاقوں میں اعلان کر دیا گیا۔ اشتہارات تقسیم ہوئے اور اس طرح یہ میلہ ترقی پذیر ہوا اس کی آمدنی ہر سال کافی ہونے لگی۔ بستی ہی کے لوگ اسکے منتظم رہتے گئے اور کمیٹی کے تحت کام انجام پا رہا ہے۔ اسکی آمدنی سے کاکو درگاہ کی مرمت، اسکول اور مدرسہ کی امداد اور دیگر رفاہ عام کا کام انجام پاتا رہتا ہے۔

[نوٹ :- یوں تو اسکے انتظامات سے متعلق آپس کے جھگڑے اکثر ہوتے رہتے تھے۔ پھر بھی یہ ایک مفید ادارہ تھا۔ اب زمینداری ختم ہونیکے بعد اور آپس کی چپقلش کے باعث اس کا انتظام حکومت نے اپنے ذمے لیا اسکی آمدنی کی ایک مقدار بہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع ہوا کرتی ہے۔ دیکھئے اس کا کیا حشر ہوتا ہے
"مرتب"]

عید گاہ

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے روضہ سے متصل ہی عید گاہ پختہ شاہی حکم سے تعمیر ہوئی۔ یہاں عیدین کی نماز ہوتی ہے۔ بستی کے علاوہ قرب و جوار سے بھی کثیر تعداد میں لوگ آکر نماز ادا کرتے ہیں۔ اس عید گاہ کا فرش پختہ بنا ہوا ہے۔ اور خطیب کے لئے ایک بلند مقام مختص کر دیا گیا ہے۔ جو ممبر کا کام دیتا ہے۔ یہ عید گاہ طول میں ۷۵ فٹ اور عرض میں ۴۵ فٹ ہے۔ اس میں تخمیناً ۵۰۰ نمازیوں کی تعداد ہو جاتی ہے۔

مؤلف کتاب ہذا نے چالیس سال تک عیدین کی امامت اور خطابت کی خدمت انجام دی۔ کبر سنی کے باعث ۱۳۴۶ھ سے آج تک مؤلف کے فرزند اوسط مولانا سید شاہ منظور الرحمان اختر اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں

نوٹ:۔ بستی کی آبادی کے اضافے کے ساتھ نمازیوں کی کثرت بھی بڑھی اس لئے اب اس عید گاہ میں کچھ توسیع کر دی گئی ہے۔ پھر بھی مزید توسیع کی ضرورت ہے۔ مگر درگاہ کا جو احاطہ ہے اس میں مزارات کی کثرت ہے اسلئے توسیع میں مشکل آپڑی ہے۔ مرتب

-۵۹-

چاہ کلاں

بستی کے پورب جانب لب خزانۂ آب عرصۂ دراز سے ایک بڑا کنواں تھا جس کا پانی نہایت شیریں، سبک اور خنک تھا۔ بستی کے سارے لوگ اسی کنویں کا پانی پیتے تھے۔ بستی کے اندر عموماً جتنے خانگی کنوے ہیں سب کا پانی شور ہے پینے کے لائق نہیں۔

اس کنویں کے بانی اول شیخ امام علی مرحوم ساکن کاکو تھے روایت ہے کہ جب ان کی اہلیہ نے انتقال کیا تو مرحومہ کے زیورات کو فروخت کر کے یہ کنواں صدقہ جاریہ کے طور پر بنایا گیا۔ امتداد زمانہ سے یہ مرمت طلب ہو گیا تھا۔ بستی کے ایک رئیس جناب مولوی شیخ عبدالحمید مرحوم نے اس کی مرمت کا قصد کیا مگر ان کا یہ ارادہ ان کے انتقال کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا۔ چند سال کے بعد ان کے فرزندان شیخ حافظ عبدالمجید و شیخ عبدالرشید (حال مقام موضع انڈھوس) نے اپنے والد ماجد کے ارادہ کو پورا کیا اور اس کنویں کی از سر نو پوری مرمت کرا دی۔ اس کو مزید وسیع کر دیا گیا۔ اس کنویں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔ اس کی تعمیر جدید کا قطعہ تاریخ مؤلف تذکرہ نے لکھا ہے جو اٹھارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہاں صرف اس کا آخری شعر درج

کیا جاتا ہے جس سے تاریخ کا سال برآمد ہوتا ہے ؎

خضر م گفت سالِ تعمیرش

چشمۂ فیض دائمی ...... بادا ہ ۱۳۷۱ھجری

یونی ین بورڈ

ماہ جون [illegible]ء سے اس بستی میں یونی ین بورڈ کا محکمہ کھلا ہے۔ پنچایتی محکمہ بھی اس کے تحت ہے۔ چھوٹے اور روزمرہ کے معمولی جھگڑے کے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک کمیٹی ہے۔ ووٹ کے ذریعہ صدر کا چناؤ ہوتا ہے۔ اول اول اس کے صدر مولوی یوسف حسین مرحوم چنے گئے اور چند اشخاص بستی اور دیگر اطراف کے ممبر منتخب ہوئے۔

اس کے بعد منشی رام سروپ سنگھ پھر بابو راگھو سنگھ صدر منتخب ہوتے گئے۔ فی الحال مولوی سید محمد ابرار صاحب اسکے صدر ہیں۔ اس یونی ین کے ذریعہ بستی کے رفاہ عام کا کام مثلاً گلیوں کی پختگی، شفاخانہ، کنوئیں کی تعمیر اور دیگر امور انجام پاتے ہیں۔

نوٹ:۔ اب بلوک بن جانے کے بعد یونی ین بورڈ معطل ہوگیا۔

کاکو کے مشاعرے

۱۲۹۸ھ میں مولوی محمد یوسف حسین کو یہ شوق پیدا ہوا کہ یہاں مشاعرہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ چند لوگوں کو اور خصوصاً مولوی سید محمد قادر رضا مرحوم کو جو بستی کے ایک بڑے استعداد فارسی داں اور شعری ذوق رکھتے تھے اس امر پر مائل کیا کہ بزم مشاعرہ منعقد ہو۔ چنانچہ اس امر پر ہفتہ وار مشاعرہ خود اپنے مکان پر کرتے رہے۔ خود بھی کبھی کبھی اپنے موزوں کردہ اشعار پڑھتے۔ صدر الشعرا مولوی قادر رضا مرحوم یہاں کے نومشق شعرا کے استاد تھے اور ان کے کلام پر اصلاحیں بھی دیتے اور کبھی کسی کو خود کہہ کر بھی عنایت کرتے تھے۔ اس طرح یہاں کے لوگوں کو شعر و شاعری کا ذوق بڑھا۔ سید شاہ محمد غزالی مرحوم المتخلص بہ واصل اور عبدالسبحان مرحوم المتخلص بہ یاس بھی شریک مشاعرہ رہتے۔ ان مشاعروں میں بیرونی شعرا کی شرکت نہیں ہوتی تھی بستی ہی کے شعرا اپنے اپنے کلام سے لوگوں کو محظوظ کرتے تھے بستی کے شعرا میں میر وحید، ملک دیدار حسین اور ملک شرافت حسین وغیرہ شریک رہتے تھے اور اپنا اپنا کلام سناتے تھے۔ اس دور میں راقم الحروف کو بھی شعر و شاعری سے ذوق تھا مگر خود اپنے کلام کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ مشاعرہ میں سنایا

جائے۔ اسلئے مشاعرہ میں پڑھنے سے اجتناب تھا۔ صرف شرکت ہوتی تھی۔ راقم کے حقیقی چھوٹے بھائی سید شاہ عبدالرحمٰن جو آئید تخلص کرتے تھے اور شاہ نذیرالرحمٰن صاحب حفیظ عظیم آبادی سے تلمذ تھا ان کو جب شعر و شاعری کا ذوق ہوا تو انہوں نے بھی اپنے مکان میں ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد نوجوانوں کو پھر ذوق شعر و شاعری کا پیدا ہوا، اور ایک نسبتاً بڑے پیمانے پر ایک مشاعرہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء کو منعقد ہوا، جس میں نہ صرف بستی کے بلکہ اطراف و جوار کے بھی چند شعراء مدعو کئے گئے مثلاً قاضی دولت پور، استھوا اور جوار سے کچھ شعراء شریک ہوئے۔ پھر وقتاً فوقتاً چھوٹے چھوٹے مشاعرے انا لتستین مڈل اسکول میں منعقد ہوتی رہیں۔

محرم کی مجلسیں

قبل بھی مجلسیں ہوا کرتی ہوں گی، اس کا علم نہیں مگر دور حاضر میں مولوی محمد یوسف حسین کے فرزند ارجمند فخرالدین محمد شمسی جو خود بڑے صاحب ذوق اور سخن شناس تھے۔ چند احباب کے مشورے سے یہ تحریک کی کہ جس طرح کاکو کی قریبی بستی علی نگر پالی میں محرم کی مجالسیں ہوا کرتی ہیں اسی طرح کاکو میں بھی اس کی داغ بیل ڈالی جائے۔

الغرض عشرۂ محرم میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں منعقد ہونے لگیں اسی موقع پر مولوی وراثت مرحوم نے رباعی کہکر مجلس میں سنائی۔

یہاں بھی ہوتی تھی مجلس کبھی زمانہ ہوا
جو منعقد ہو زمانہ سے اک فسانہ ہوا
اثر سے مغربی تعلیم کے ادھر شمسی
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

اس کے علاوہ اور بھی چند رباعیاں سنائیں۔ ان مجلسوں میں میر انیس وغیرہ کے مرثیے سنائے جاتے اور بعض سوز خواں اور نوحہ پڑھنے والے بھی مثلاً میر عبد محمد یونس وغیرہ لحن میں سوز خوانی کرتے تھے۔ یہ مجلس کبھی خود فخر الدین شمسی کے مکان میں اور کبھی ملک ٹولہ کے بنگلہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔

[نوٹ:۔ مرتب کتاب ہذا بھی کبھی کبھی شریک مجلس ہوا کرتا تھا۔ ایک بار ملک ٹولہ کی مجلس میں ڈاکٹر موسیٰ رضا جو اسوقت کم سن ہی تھے اسقدر مرثیہ سے متاثر ہوئے کہ روتے روتے بیہوش ہوگئے مشکل سے ہوش آیا۔ الغرض یہ مجلسیں چند سال تک جاری رہیں اور بڑی دلچسپی اور خوش عقیدگی کے ساتھ بستی کے لوگ اس میں حصہ لیتے تھے مگر پھر یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ مرتب]

شاخ انجمن ترقی اردو

اس بستی میں مختلف طور پر علمی و ادبی مذاق ہمیشہ رہا ہے۔ لکھے پڑھے لوگوں کے گھرانوں میں اپنا اپنا ذاتی کتابی سرمایہ موجود تھا۔ خود راقم الحروف کا اپنا ذاتی ذخیرہ تھا جس میں تقریباً ۵۰۰ کتابیں مختلف موضوعات کی عموماً اور فارسی اور اردو اساتذہ کے کلیات و دواوین تھے۔ اسی طرح برادرم سید شاہ فرید الدین کو بھی کتابوں کا بڑا ذوق تھا اور انہوں نے بھی شعراء کے دواوین و کلیات نیز بزرگان دین کے احوال و آثار پر جو کتابیں تھیں اس کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا اور اسی طرح مولوی عبد الحلیم مرحوم بانی مدرسہ عربی کے پاس بھی احادیث فقہ اور دیگر مذہبی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ مگر اس بستی میں کوئی ایسی پبلک لائبریری نہ تھی جس سے عوام مستفیض ہو سکتیں۔

۱۹۱۸ء میں ایک سفیر مسمی عبد العلیم منظر علی ردولوی اورنگ آباد دکن کی انجمن ترقی اردو کی طرف سے دورہ کرتے ہوئے کاکو پہنچے اور یہاں انجمن کی ایک شاخ جناب شیخ عبد الرحمٰن اور مولوی سید یوسف حسین اور دیگر احباب کے مشورے سے قائم ہوئی۔ اجمالی فنڈ سے رقم ادا کی گئی اور انجمن کی ساری

مطبوعات منگوائی گئیں اور اس طرح ایک پبلک کتب خانہ کا قیام عمل میں آیا۔ کتابیں مولوی یوسف حسین صاحب کے مکان میں رکھی گئیں۔ لائبریری کے سکریٹری مولوی شرافت حسین مرحوم بنائے گئے لیکن اس سے بستی کے عوام کو مستفیض ہونے کا موقع کم ملتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے کھلنے اور بند ہونے کا کوئی مستقل اور معین وقت نہ تھا اور نہ کوئی کارندہ ایسا تھا جو اس خدمت کو انجام دے۔ بستی کی تعلیم یافتہ جماعت اس ضرورت کو محسوس کر رہی تھی کہ باضابطہ کوئی پبلک لائبریری کا انتظام ہو۔

اسی ضرورت کے اور ذاتی ذوق و شوق کی بنا پر ۱۹۲۹ء میں راقم الحروف کے فرزند اوسط سید شاہ منظور الرحمن اختر نے اپنے ہم خیال احباب کے مشورے سے ایک پبلک لائبریری کا منصوبہ بنایا اور بزم کمال کی بنیاد ڈالی گئی۔

بزم کمال اور پبلک لائبریری

یہ لائبریری راقم الحروف ہی کے مکان کے مخصوص حصّے میں کھولی گئی۔ اس کی ایک کمیٹی بن گئی اور اسکے روح رواں اور سکریٹری سید شاہ عطاء الرحمن ہوئے۔ اس لائبریری میں اخبار و رسائل نیز مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا گیا۔

وقت معینہ پر لائبریری کھولی جاتی اور زیادہ تر نوجوان طبقہ دل چسپی کے ساتھ اس لائبریری کو فروغ دیتے رہے۔ اس کا کوئی اپنا خاص مکان نہ تھا۔ انجمن ترقی اردو کی جو کتابیں پہلے سے موجود تھیں وہ بھی اس لائبریری میں منتقل ہو گئیں اور اسی طرح یہ ایک بڑی لائبریری کی شکل میں قائم ہو گئی۔

[نوٹ۔ بڑی کوششوں کے بعد اجمالی فنڈ سے رقم فراہم ہونے کے بعد لائبریری کی ایک الگ عمارت مڈل اسکول کے پاس بڑی پرفضا جگہ پر بنوائی گئی اور بتاریخ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لائبریری اپنی ذاتی عمارت میں منتقل ہو گئی۔

افسوس ہے کہ بعد کے ہونے والے سکریٹری کی عدم توجہی سے عمارت بھی مرمت طلب ہو گئی اور کتابیں بھی ادھر ادھر ہو گئیں۔ اب لائبریری کا کوئی وجود باقی نہیں۔ بستی کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگوں کو چاہئے کہ اس لائبریری کی نئے سرے سے تجدید کریں کہ یہ وقت کی بہت اہم ضرورت ہے۔]

گڈھ

اس بستی کے جنوبی حصہ میں کسی زمانے میں تین گڈھ بہت بلند رہے ہوں گے۔ مگر اب ان کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ پرانے قلعے یا عمارات کے کھنڈر تھے۔ بستی کے اکثر و بیشتر مکانات

ایسی گڈھوں کی اینٹوں سے بنتے گئے۔ کھدائی میں جو اینٹیں نکلی تھیں وہ قدیم وضع کی بڑی لانبی اور چوڑی تھیں اور دبازت خاصی تھی۔ اندازاً دو فٹ لانبی ایک فٹ چوڑی اور چار پانچ انچ موٹی تھیں۔ اینٹیں نکالنے کے دوران اکثر بودھ کی مورتیاں، معرقی اور گلی ظروف، کچھ سکے اور کوڑیاں بھی نکلی تھیں۔ اکثر شکستہ دیواریں بھی ملتی تھیں جو مٹی اور ریت کی جڑائی سے بنی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اینٹوں سے نکالنے کے باعث اب یہ گڈھے بہت پست ہو گئے ہیں۔ یہ تینوں گڈھے فی الحال "اٹھ سجھ" یعنی آٹھ مواضعات کے ... اجمالی توزیع یوں ہے۔

جو سب سے بڑا گڈھا تھا اس پر مولوی شاہ ولی اللہ مختار گیا جو کاکو کے نووارد باشندہ تھے انہوں نے اپنا بنگلہ بنوایا۔ یہ پورا بنگلہ اسی گڈھے کی نکالی ہوئی اینٹوں سے تعمیر کیا ہوا ہے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ بنگلہ راقم الحروف نے ان کے ورثا سے خرید کر اپنی قیامگاہ بنایا۔

اس بنگلہ کے علاوہ اور مکانات بھی ان گڈھوں پر تعمیر ہوتے گئے۔ منشی عبدالرحیم، شیخ ابوالحسن اور شیخ احمد حسین سیٹھ مرحوم نے اپنے اپنے مکانات بنوائے۔ پھر اس کے بعد سید محمد ابرار حسن شاہ فخر الدین سلمہٗ نے بھی اپنے اپنے مکانات بنوائے۔
اسی گڈھے پر مسہری بھی ہے جس میں مسہر ٹیلیے کے لوگ آباد ہیں۔

گڑھ کے بقیہ حصے کہیں بلند اور کہیں پست اب بھی غیر آباد پڑے ہوئے ہیں۔ انگریز مبصرین نے جو اس بستی کے سروے کے دوران آئے تھے اپنے رپورٹ میں لکھا ہے کہ اندازہ ہے کہ یہ گڑھ کسی زمانہ میں بودھ مذہب کے راہبوں کی خانقاہیں ہوں۔

تنگر اور مدرسہ

بستی سے پورب خزانہ آب (پانی ہانس) کے اس پار ایک مقام قدرے بلند پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق روایت یہ ہے کہ کبھی زمانے میں یہ ایک بڑا مدرسہ تھا۔ آج تک یہ جگہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ اب کسی عمارت کا پتہ نہیں غیر آباد زمین ہے صرف ایک تالاب موجود ہے اور آس پاس مزارات کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ قدما سے سلسلہ بہ سلسلہ یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں علم دینی کی تعلیم کا ایک مدرسہ تھا۔ اکثر علماء درس دیتے تھے کسی مسئلہ پر بحث چھڑی۔ آپس میں تکرار کی نوبت پہنچی۔ آخر یہ بات طے پائی کہ اس مسئلہ کو حضور پرنور سرور کائنات فخر موجودات سے رجوع کیا جائے جو عالم باطن میں آپ فرمائیں اسی کو اٰمنّا و صدقنا سمجھا جائے۔ اسی نزاع کو طے کرنے کے لئے چشم ظاہر سے تو نہیں مگر چشم باطن سے یہ دیکھا گیا کہ حضرت

تخت مبارک پر جلوہ فرما تشریف لائے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب قدس سرہٗ اس وقت اپنے حجرہ میں تھے۔ کشف باطن سے ان پر یہ بات روشن ہوئی وہ پاپیادہ تیز قدم اس مقام پر پہنچے۔ اب ان کو اس بات کی تلاش ہوئی کہ یہ جگہ کس کی ملکیت ہے معلوم ہوا کہ ایک شخص شیخ وجیہی نامی اس زمین کے مالک ہیں۔ ان کو بلوا کر اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ تھوڑی سی جگہ مجھے اس سرزمین میں دیدو تاکہ میری قبر یہیں پر بن سکے۔ ان کو قدرے تامل ہوا تو اس زمین کے بدلے تمہیں ہم جنت میں اتنی زمین دلوادیں گے۔ اور فرمایا کہ نہا دھو کر آؤ۔ مولانا نے اپنے زانو پر اس کا سر رکھا اور کہا کہ آنکھیں بند کرلو۔ آنکھیں جو بند کیں تو ان کو جنت نظر آئی۔ مولانا نے ان کو کہا کہ جتنی زمین چاہو پسند کرلو۔ شیخ وجیہی نے پھر تو بخوشی اپنی زمین مولانا کے نام نذر کی جو بقدر دو تین بیگھے کے ہوگی۔ اس زمین میں بیری کے درخت بھی تھے اب تک درخت کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔ شیخ وجیہی نے مولانا کے سامنے دو شرطیں اور پیش کیں کہ مجھے بھی اجازت ہو کہ آپ کے پائتی میں دفن ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب بیری کے پھل گرنے لگیں تو پانچ سیر اس کا پھل مجھے ملا کریں۔ اور میرے مرنے کے بعد میرے ورثا کو بھی ملتا رہے۔ مولانا نے یہ دونوں شرطیں منظور کریں۔

جب مولانا کا ۱۱۳۶ھ میں انتقال ہوا تو اسی جگہ جہاں تخت

مبارک آیا تھا، اسی جگہ پر آپ کی قبر بنی جو آج بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ شیخ وجیہ بھی ہے تو ان کی قبر بھی پائی ہیں اپنی ای مناسبت سے اس زمین کو بقا نگر کہا جاتا ہے۔ بڑی پرتھا جگہ ہے۔

مولانا کے ورثا میں برادرم شاہ فرید صاحب تک یہ مشہور تھا کہ مہوا کا پھل میاں تیجی کے ورثا کو ہر سال دیا جاتا تھا جو وہ لوگ باخود ہا میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اسی بقا نگر کے قریب ہی حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمین کا بھی مزار ہے۔ اور دیگر بزرگوں کے بھی مزارات ہیں۔

اسی بقا نگر کی بزرگی و عظمت کے بارے میں حضرت سید شاہ مبارک حسینؒ رحمتہ اللہ علیہ جو شاعر تو نہ تھے مگر دلی جذبے سے متاثر ہو کر کچھ موزوں کچھ ناموزوں اشعار کہے تھے وہ بطور یادگار درج کیے جاتے ہیں ؎

عجب بو پا ہے خاک اپنے وطن کی
کہ گرد ہے مشک تاتار و ختن کی
کہاں آباد رہو صفہ پاک دامن
جگر جگمگت مخدوم زمن کی
رسول آخر زماں کا تخت آیا
ہوا بھی زمیں یہیں علاؤ کی

خزانۂ آب

کاکو کی جغرافیائی جوحدی بڑی پر فضا اور خوش نما ہے۔ اسکے اتر جانب سڑک واقع ہے۔ جو جہان آباد سے ہوکر کاکو کی طرف آتی ہے، اور لنگر سرائے ہوتی ہوئی بہار شریف تک چلی جاتی ہے۔ بستی تین طرف سے یعنی پورب، دکھن، اور پچھم پانی سے گھری ہوئی ہے۔ یہ پانی کا خزانہ جو شاید کسی زمانے میں تالاب یا مصنوعی جھیل کی شکل کا ہوگا، عرف عام میں "پانی ہانس" کہلاتا ہے۔ قدیم روایت تو یہ ہے کہ دو رانیاں تھیں ایک کا نام پری رانی، دوسری کا نام ہنس رانی ان ہی کے نام پر یہ "پری ہنس" تالاب تھا۔ مگر اس کی کوئی تحریری سند نہ مل سکی۔

پانی کا یہ خزانہ برسات میں بھرا رہتا ہے۔ دوسرے موسم میں خشک رہتا ہے۔ معمر لوگوں سے معلوم ہوا کہ پہلے یہ تالاب بہت گہرا تھا۔ اور اسکے بیچ میں ایک لاٹ نصب تھا۔ امتداد زمانہ سے تالاب بھرتا گیا اب لاٹ زیر زمین ہوگیا۔ کھدائی کی جائے تو نکل آئے۔ اس مصنوعی جھیل سے نہ صرف بستی کی دلفریبی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ زراعت میں بھی اس کی وجہ سے بڑی تقویت ملتی ہے۔ برسات میں مچھلیاں بکثرت ہوتی ہیں لہٰذا ہر سال ایک بار سارے بستی کے لوگ مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ دو ایک سال لوگوں کے مشورے سے مچھلیوں کا نیلام ہوا اور وہ رقم خانقاہ کی مرمت اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف ہوئی۔

تذکرہ حضرت مخدوم مولٰنا شیخ سلیمان لنگرزمین قدس سرہٗ

متوطن قصبہ منیر شریف و ساکن قصبہ کاکو

حضرت مولانا شیخ سلیمان لنگر زمین حضرت مخدوم مولانا شیخ عبدالعزیز منیری کے فرزند اور حضرت امام محمد تاج فقیہہ قدس سرہٗ فاتح منیر کے پوتے ہیں۔ حضرت تاج فقیہ کے تین فرزند تھے۔ محلِ اولی سے مخدوم شیخ اسرائیل اور مخدوم شیخ اسماعیل، محل ثانی سے حضرت مخدوم عبدالعزیز۔ مخدوم عبدالعزیز کے دو فرزند ایک مخدوم جلال منیری، دوسرے حضرت مخدوم سلیمان لنگر زمیں۔ حضرت جلال منیری کے صاحب زادے حضرت مخدوم شیخ شعیب (شیخپورہ ضلع مونگیر) حضرت سلیمان لنگر زمیں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے چچا تھے اور چوں کہ حضرت سلیمان لنگر زمیں حضرت بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر تھے اس رشتہ سے مخدوم جہاں کے حقیقی خالو ہوئے۔۔۔۔ حضرت سلیمان لنگر زمیں کا مزار کاکو بستی سے جانب پورب بقانگر کے قریب تکیہ شاہ رکن الدین کے نام سے جو مقام ہے وہیں پر واقع ہے۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز امر ہے کہ حضرت بی بی کمال اور حضرت

سلیمان لنگر زمیں دونوں زن و شوہر کا مزار ایک دوسرے سے تقریباً نصف میل فاصلہ پر واقع ہے۔ ایک کا بستی سے پچھم اور دوسرے کا بستی سے پورب، ایک کا مزار مرجع خلائق ہے اور دوسرے کا مزار اس حال میں کہ اس کا پتا بتانے والا بھی مشکل سے ملے۔ آثار سے پتا چلتا ہے کہ کسی زمانے میں پختہ عمارت ہوگی مگر اب منہدم ہوگئی۔ مزار بھی بے مرمت ہوگیا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا محترمی مولوی سید شاہ وحید الدین صاحب ساکن شیخپورہ ضلع مونگیر نے جو حضرت سلیمان زمیں کی اولاد سے ہیں بہ انتظام و نگرانی شیخ عبدالرحمٰن رئیس کاکو مزار کی مکمل مرمت کرادی ہے۔

حضرت سلیمان لنگر زمیں حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے شوہر اور حضرت قاضی سید شاہ شہاب الدین پیر جگجوت (کچی درگاہ جیٹھلی پٹنہ) کے داماد تھے ـــــ آپ کی ولادت اور وفات کا سال معلوم نہیں مگر زمانے کا تعین اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے چچازاد بھائی حضرت یحییٰ منیری کی وفات کا سال ۷۹۰ھ ہے۔ لفظ "مخدوم" تاریخ نکلتی ہے اور آپ کے خسر حضرت پیر جگجوت کا سال وفات ۶۶۷ھ ہے۔ اور بہ روایت دیگر ۷۰۵ھ ہے۔ اس حساب سے آپ کے زمانے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی اولاد کثرت سے مختلف مقامات پر مثلاً کچھاواں کاکو، دانا پور، منیر، باڑھ، عظیم آباد، نوادہ، بہار شریف، موڑا تالاب، شیخپورہ (مونگیر) استھاواں وغیرہ پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت شاہ

رکن الدین قدس سرہٗ جن کا ذکر اسی کتاب میں بعد میں آئے گا آپ ہی کے نواسوں میں ہیں اور آپ ہی کے مزار کے پاس ان کا بھی مزار ہے اس مقام کو تکیہ رکن الدین کہا جاتا ہے۔

آپ کا خاندان ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے ہر دور میں ممتاز و برگزیدہ رہا ہے۔

راقم الحروف کے پیر و مرشد حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۲۹۰ھ) اور آپ کے فرزند و جانشین حضرت اکبر رح داناپوری (ف ۱۳۲۷ھ) حضرت سلیمان لنگر زمین کے اخلاف سے ہیں۔ راقم الحروف کی اہلیہ بھی حضرت سلیمان لنگر زمین کے بھتیجے شیخ شعیب قدس سرہٗ کی اولاد و اخلاف میں ہیں۔

افسوس ہے کہ آپ کی زندگی کے حالات کہیں دستیاب نہیں ہوئے

[آپ کا لقب لنگر زمین کیوں مشہور رہا ہے اسکی قدیم روایت بستی میں یوں بیان کی جاتی ہے کہ جس زمین پر آپ آج آسودہ ہیں پہلے یہ حالت تھی کہ جب کوئی میت وہاں دفن کی جاتی تو زمین اس کو قبول نہیں کرتی تھی نعش باہر پڑی ہو جاتی تھی مگر جب سے آپ وہاں لنگر انداز ہوئے یہ کیفیت جاتی رہی۔ اس قسم کی روایتیں بزرگوں سے اکثر منسوب کردی گئی ہیں میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کے القاب دیگر بزرگوں کے نام کیساتھ وابستہ کردیئے گئے ہیں مثلاً تاج الفقہ، توشہ توحید، لنگر دریا، اسی طرح لنگر زمین بھی سمجھئے]

مرتب ع۔ک

کیجاواں حضرت سلیمان لنگر زمیں کی اہلیہ حضرت بی بی ہدایہ عرف بی بی کمال قدس سرہا تھیں جن کے بطن سے ایک فرزند شاہ عطاء اللہ (کجاواں) تھے جن کے چھ لڑکے تھے۔

(۱) شفیع الدّین عطا (۲) شمس الدّین عطا (۳) صلاح الدّین عطا (۴) تاج الدّین عطا (۵) سراج الدّین عطا (۶) قطب الدّین عطا

حضرت بی بی کمال کی ایک صاحب زادی بھی تھیں جن کا نام بی بی کمال ثانی تھا۔ ان کے شوہر حضرت حسام الدّین ہانسی ہنسار دی تھے جن کے فرزند مخدوم غریب حسین دھکڑ پوش ہوئے۔

موضع کجاواں منیر شریف سے تقریباً ۵ میل دور ریلوے اسٹیشن بہٹہ کے متصل ہے۔ شاہ عطاء اللہ وہیں جا کر مقیم ہوئے اور آپ کا وہیں وصال ہوا۔ مزار بھی وہیں ہے۔

حضرت سلیمان لنگر زمیں کے نواسے حضرت حسین دھکڑ پوش کے مزار کے بارے میں یقینی طور پر معلوم نہیں۔

سفینۂ تحریری ابوالحد حضرت شاہ تیم اللہ قدس سرہٗ کاکوی کی رو سے معلوم ہوا کہ آپ کا مزار تھہی (ترہیت ضلع) میں حضرت خواجہ تقی الدین تھہوی کے مزار کے پائیں میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی اطلاع ملتی ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت حسام الدّین ہانسی ہنساروی کا مزار بھی وہیں ہے۔

حضرت شیخ عمر کاکوی قدس سرہٗ

آپ کاکو کے باشندہ تھے مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ یہاں کب تشریف لائے، اور کہاں سے آئے۔ نہ آپ کے خاندان کا پتہ ہے اور نہ ذاتی حالات کا تفصیل سے کوئی علم۔
ہاں اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ آپ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (۶۶۱-۷۸۲ھ) کے ساتھ کمال عقیدت اور خلوص رکھتے تھے، اور سلسلہ مراسلت بھی تھا۔ مسائل تصوف کے سمجھنے میں جہاں آپ کو مشکل پیش آتی تھی۔ بذریعہ مراسلہ حضرت مخدوم سے استفسار فرماتے اور اپنی گتھی کو سلجھاتے۔ جو جوابات حضرت مخدوم سے آتے وہ ایک رسالہ کی شکل میں "اجوبہ کاکوی" کے نام سے مرتب ہوا اور طبع شدہ ہے۔ آپ کے متعلق یہ روایت مشہور اور مستند ہے، کہ آپ اور ایک دوسرے بزرگ احمد بہاری دہلی تشریف لے گئے۔ دونوں صاحب وجد و حال تھے، اور بہ حالت جذب میں ایسے کلمات آپ دونوں کی زبان مبارک سے نکل جاتے جو علمائے ظاہر کے لئے ناقابل برداشت ہوتے

یہ شکایت فیروز شاہ تغلق تک پہنچائی گئی۔ محضر تیار ہوا اور دونوں شہید کر دیئے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے تاریخ فیروز شاہی، مناقب الاصفیا (مولفہ حضرت شعیب رح) نجات قاسم و تذکرۂ محبوب (مولفہ شاہ اکبر رح داناپوری) سیرۃ الشرف (مولفہ مولوی ضمیر الدین) وسیلۃ الشرف (مولفہ مولوی منیری شاگرد غالب) ملاحظہ ہو۔ خود حضرت مخدوم نے بھی اپنے مکتوب میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت سید شاہ قیام الدین قدس سرہٗ

آپ کے متعلق لوگوں کا بیان ہے کہ آپ حضرت سیدنا غوث پاک عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کی اولاد سے ہیں۔
اس بستی کے پورب جانب اہل ہنود کی آبادی ہے جو تواری بگہہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسی کے قریب آپ کا مزار ہے جو امتداد زمانہ سے بے مرمت ہوگیا ہے۔ اور مزار کے چاروں جانب جو دیواریں تھیں وہ بھی منہدم ہو گئی ہیں۔ پھر بھی یہ مقام بہت ہی پر فضا اور بارونق ہے۔ آپ کی نسبت راقم سے بہتوں نے یہ روایت کی ہے کہ یہاں کے ایک باشندے جو کہیں باہر گئے ہوئے تھے، واپس آرہے

سکتے کہ دیکھا کہ آپ کاکو کی جھیل میں شمس روضہ کے پاس وضو کر رہے ہیں۔ مغرب کا وقت قریب تھا۔ آپ سے پوچھا کہ مغرب کی نماز کہاں پڑھیں گے، فرمایا کہ تم جاؤ میرا جہاں جی چاہے گا پڑھ لیں گے، وہ گھر چلے آئے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب تو انتقال فرما چکے ہیں، آج فاتحہ چہارم تھا۔

آپ کے مزار کے قریب ایک اور مزار حضرت سید اسداللہ قدس سرہٗ کا ہے ان کا بھی کچھ حال معلوم نہیں۔ تواری برہمن لوگ جو اس علاقہ کے باشندہ ہیں ان کا بیان ہے کہ جب کوئی مصیبت ہم لوگوں پر آتی ہے تو آپ مدد فرماتے ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ان کے بڑے معتقد ہیں۔ اور نذر و نیاز کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ کھڑاون پہنے رات کو اکثر چہل قدمی کرتے رہتے ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح بھی رہتی ہے۔ آپ کو راقم کے جد امجد حضرت سید شاہ حبیب اللہ قدس سرہٗ سے بڑا اتحاد و خلوص تھا۔ ان تواریوں کا یہ بھی بیان ہے کہ پنجشنبہ کو رات کے وقت تواری بگھہ سے شمس روضہ دینی باغ، رٹھیا اور بقا نگر اور مدرسہ تک چراغوں کی روشنی نظر آتی ہے اور بزرگان دین ادھر ادھر چہل قدمی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ [نوٹ :- جو لوگ روحانیت کے قائل ہیں انکے نزدیک اس قسم کے غیر معمولی واقعات کا رونما ہونا مستبعد نہیں۔ مرتب ع۔ک]

حضرت سید شاہ رکن الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت سلیمان لنگر زمین قدس سرہٗ کے نواسوں میں کہے جاتے ہیں اور آپ کا تکیہ یہاں مشہور ہے جس کو تکیہ شاہ رکن کہا جاتا ہے۔ اس سے متعلق کچھ اراضیات مزروعہ بھی موجود ہے۔ حضرت مولینا شاہ عبد الغنی قدس سرہٗ آپ کے دو متون میں سے تھے۔ آپ کا مزار حضرت سلیمان لنگر زمین کے مزار کے پائین میں ہے۔ آپ کے متعلق ایک حکایت بستی میں زبان زد ہے، کہ شیخ وجیہ الدین مرحوم اس بستی کے صاحب ثروت تھے اور ان کا ایک باغ بھی تھا جو بستی سے پورب آج تک ان کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا رہن سہن رئیسانہ تھا۔ کمرے میں پر تکلف فرش بچھا رہتا تھا۔ شاہ رکن الدین صاحب روزانہ ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ پا برہنہ تو رہتے ہی تھے فرش پر بے تکلف بیٹھ جاتے۔ ان کی کرامت سمجھئے کہ فرش خراب اور داغدار نہ ہوتا۔ آپ پر جذبی کیفیت طاری رہتی ایک حسین خاک روبن ان کی منظور نظر تھی۔ ایک بار اس کے گھر گئے تو وہ روٹی اور مچھلی پکا رہی تھی۔ آپ نے اس سے کہا کہ مجھے بھی کھلائے گی۔ وہ بولی کہ آپ میرے ہاتھ کا کھائیں گے

اسی عرصہ میں شیخ صاحب موصوف کا ایک ملازم اس خاک روبن کو بلانے آیا تو دیکھا کہ مچھلی روٹی شاہ صاحب کے سامنے رکھی ہوئی ہے۔ اس ملازم کو حیرت ہوئی۔ جاکر شیخ صاحب سے کہا کہ وہ شاہ صاحب جو یہاں برابر آتے ہیں آج خاک روبن کے یہاں جاکر مچھلی اور روٹی کھا رہے تھے۔ شیخ صاحب نے ملازم کو ہدایت کر دی کہ اب وہ آئیں تو ان کو آنے سے منع کر دو۔ ضد کریں تو سختی کر کے نکال دو شاہ صاحب آئے تو ملازم مزاحم ہوا کچھ بیجا حرکت بھی کی۔ آپ کو جلال آگیا اور زبان مبارک سے یہ دوہا فرمایا ؎

لوٹتے لوٹتے کان بودا بچارا بھینا

ایسا پنجہ مارے گھوا کہ جنگل رکھ سر بیپا (کذا)

یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے، اسی روز یا دوسرے روز شیخ صاحب حسب دستور پالکی پر سوار ہو کر اپنے باغ تشریف لئے جا رہے تھے کہ یکایک ایک شیر نمودار ہوا اور اس نے ایسا پنجہ مارا کہ شیخ صاحب کا سر تن سے جدا ہو گیا اور سر لے کر شیر غائب ہو گیا۔ نعش اسی پالکی پر بے سر گھر لائی گئی۔ اسکے بعد اس گھر پر ایسی تباہی آئی کہ بے چراغ ہو گیا اور پھر آجتک غیر آباد ہے۔ اس مقام پر کوئی مکان نہیں بناتا۔ آجتک جب دہقانی عورتیں آپس میں لڑتی ہیں تو فریق ثانی کو یہی کہہ کر بد دعا دیتی ہیں کہ تیرا بھی وجیہ لدین کے ایسا حال ہو۔

حضرت خواجہ عبدالقدوس محمد اسلم جعفری

بستی میں کوئی شخص آپ کے نام اور حالات سے واقف نہیں۔ عند الملاقات جناب شاہ بدرالدین علیہ الرحمۃ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (ف ۱۳۴۳ھ) نے راقم سے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبدالقدوس محمد اسلم کاکو کے رہنے والے ہیں اور محمد علیم اللہ بدایونی جو خصوص الحکم کے شارح ہیں آپ کے مرید اور مسترشد تھے جس کو خود صاحب شارح نے بہ زمانۂ قیام عظیم آباد لکھی تھی۔ یہ کتاب خانقاہ مذکور میں موجود ہے

آپ کے اور حالات دستیاب نہ ہوئے مگر بہار شریف محلہ محل پر کے لوگوں نے یہ بیان کیا کہ یہ بزرگ ان لوگوں کے اجداد سے ہیں، اور مزار آپ کا شریعت آباد متصل پھلواری شریف کے ہے۔ مزار پختہ ہے اور چہار دیواری بھی پختہ بنی ہوئی ہے۔ اور یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ حضرت سید ابراہیم زندہ دل کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ میر تبارک حسین مرحوم کاکوی جو حضرت ابراہیم زندۂ دل کے فرزندوں میں سے ہیں یہی کہتے تھے کہ بہار شریف محل پر کے لوگ اور ہم ہم جد ہیں۔

دور جاکر سوار ہوتے۔ اسی طرح جب واپس آتے تو گھر سے دور ہی گھوڑے سے اتر جاتے اور پا پیادہ گھر تک آتے۔ ایک دن حسب معمول سفر پر گئے۔ واپس آرہے تھے کہ والد ماجد جو مسجد کے سامنے پتھر پر بیٹھے تھے اور چند لوگ بھی موجود تھے دور سے دیکھا کہ کوئی گھوڑے پر آرہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ دیکھو تو کون آرہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کے فرزند آرہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ سوار کا سر نہیں معلوم ہورہا ہے۔ ادھر سر دھڑ سے جدا ہوا اور گھوڑا بقیہ جسم لئے ہوئے گھر پہنچا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب سوار نہیں تو گھوڑا کیا ہوگا۔ معاً گھوڑا بھی گر کر دم توڑ گیا۔ کس بات کی خفگی تھی کچھ معلوم نہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن آپ اپنی پگڑی سر سے اتار کر اور تسبیح جانماز پر رکھ کر کسی ضرورت سے باہر گئے اتنے میں آپ کی اہلیہ بی بی خدیجہ آئیں۔ پگڑی اپنے سر پر اور تسبیح ہاتھ میں لے کر آپ کے مصلی پر بیٹھ گئیں۔ آپ جب واپس آئے تو پرغضب انداز سے اپنی اہلیہ کو دیکھا اور ایسا معلوم ہوا کہ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

[اہل اللہ کے جمالی و جلالی انداز کے مظاہر سے اکثر سنے گئے ہیں۔ ان کو چشم باطنی ہی سمجھ سکتی ہے چشم ظاہر نہیں دیکھ سکتی اور نہ سمجھ سکتی ہے۔ مرتب ع۔ک۔]

آپ کے دو صاحب زادے تھے ایک کا نام سید محمد عمر اور دوسرے کا سید محمد اسمٰعیل۔ دیگر حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اس خاندان کے دو افراد سید محمد یونس اور سید عبدالشکور نے راقم سے بیان کیا کہ مذکورہ بالا واقعات اور دیگر ضروری حالات خاندانی کاغذات میں مندرج تھے مگر بستی میں بار بار آتش زدگی کے باعث سارے کاغذات جل کر خاک ہو گئے۔

سید محمد یونس صاحب نے جو از سر نو تعمیر مزار و چہار دیواری روضہ حضرت ابراہیم قدس سرہٗ کی اپنے خرچ خاص سے فرمائی راقم نے اس کی یہ تاریخ لکھی :-

سید ابراہیم زندہ دل لقب — ہست بے شبہ زخیل اولیا
قبر پاکش کہنہ و معدوم بود — میر یونس باز کرد آن را بنا
ہست یونس از یکے اولاد او — کرد در تعمیر آن بس سعیہا
مال خود را صرف کرد از جیب خاص — عمر و دولت حق کند او را عطا

سال تعمیرش ز روئے اعتقاد
عمر گفتہ "بارگاہ پر ضیا"
۱۲۱۳ + ۱ = ۱۲۱۴ھ

ایک واقعہ حضرت ابراہیم سے متعلق راقم کے چشم دید ہے کہ میر یوسف حسین عرف ننھو آپ کی اولاد ذکور سے تھے ان کے داماد مسمی محمد و میاں ساکن موضع فیروزی آپ کے مزار کے

ایک جگہ بلند اور پر فضا ہے۔ جو ریٹھیہ کہلاتی ہے۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔ مزار پختہ ہے۔ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ کسی زمانے میں چہار دیواری تھی مگر اب ناپید ہے۔ آس پاس اور بھی مزارات پختہ و خام موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ دیگر حالات نہ مل سکے۔

حضرت شاہ علی اکبر بڑھرا قدس سرہٗ

بستی سے ڈیڑھ میل شمال میں ایک ائمہ (جاگیر) اس محال کا ہے جس کو بڑھرا کہتے ہیں۔ یہاں کے اکثر باشندے اس ائمہ کے مالک ہیں وہیں آپ کا مزار مبارک پختہ بنا ہوا ہے۔ لوگ نذر و نیاز بھی دیتے ہیں اور کچھ اراضی اس کام کے لئے وقف بھی ہے۔ جس کو نذر مخدومانہ کہا جاتا ہے۔ راقم نے سنا ہے کہ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے برگزیدہ بزرگ ہیں۔ یہ مقام علی اکبر کا تکیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سلمان سیاح قدس سرہٗ

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی درگاہ کے جنوب میں تالاب کے اس پار ایک بہت بلند جگہ ہے جس کو موہان کہا جاتا ہے وہیں حضرت سلمان سیاح کا مزار ہے۔ جب حضرت بی بی کمال

کی فاتحہ نذر و نیاز کے ساتھ ہوتی ہے تو درگاہ ہی سے موہان کی طرف رخ کرکے آپ کی بھی فاتحہ کی جاتی ہے۔ غالباً حضرت بی بی کمال کے متوسلین میں سے ہیں، اور کچھ حالات معلوم نہیں۔

حضرت حاجی سید سلمان قدس سرہٗ

آپ کا صرف نام ہی سنتے ہیں کہ اسی بستی کے باشندہ تھے لوگوں کا بیان ہے کہ درگاہ حضرت بی بی کمال کے متصل پچھم جانب جو مزارات ہیں انہی میں سے کوئی آپ کا مزار ہے

حضرت شاہ مبارک قدس سرہٗ

آپ کا مزار بستی کے بیچ میں بڑا چوک کے نام سے جو جگہ ہے اور جہاں پر تنبولی کی دوکان ہے وہیں واقع ہے۔ کوئی آپکے نام سے بھی واقف نہ تھا مگر جب بستی کے رئیس شیخ عبدالرحمٰن صاحب کے والد شیخ ارشاد حسین مرحوم کی زندگی میں جناب حاجی الحرمین پیر طریقت حضرت سجاد علیہ الرحمتہ داناپوری (ف ۱۲۹۸ھ) پہلے پہل کاکو تشریف لائے تو انہی کے یہاں قیام فرمایا۔ مکان کے سامنے ہی یہ مزار تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مزار حضرت شاہ

مبارک نامی ایک بزرگ کا ہے جو اس بستی کے اہل خدمت میں سے ہیں۔ آپ کا مزار بہت بے مرمت ہو گیا تھا جس کو شیخ عبدالرحمٰن رئیس و زمیندار کاکو نے از سر نو تعمیر کرایا اور روزانہ مزار پر روشنی کا نظم بھی کسی کے سپرد کیا تھا۔

حضرت شاہ باگ قدس سرہٗ

آپ کا مزار حکیم محمد اخلاق حسین عرف حکیم بھگو صاحب کے باہر والے مکان کے شمال ایک گوشہ میں پختہ بنا ہوا ہے۔ یہاں بھی لوگ نذر و نیاز کرتے ہیں اور کچھ حال معلوم نہیں۔

[حکیم صاحب موصوف سر فخرالدین وکیل و وزیر تعلیم بہار کے حقیقی بہنوئی اور سمدھی بھی تھے۔ عزیزالحق فخرالدین وکیل کی شادی حکیم صاحب موصوف کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ مرتبہ بہار ج۔ک]

حضرت شاہ ارزانی قدس سرہٗ

آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ کا مزار بستی کے پچھم شمال میں واقع ہے جو قطع ارضی کے نام سے موسوم ہے، مگر حقیقتاً قطعہ ارزانی ہے۔

یہاں کے لوگ آپ کے معتقد ہوتے چلے آئے ہیں۔ فاتحہ اور نذر و نیاز کا سلسلہ بھی ہے۔

حضرت سید شاہ علی ارشد قدس سرہٗ

آپ کا مزار اِس بستی میں ڈاکٹر مظہر الحق مرحوم کے زنانہ مکان کی پشت پر پختہ بنا ہوا ہے۔ سرہانے چراغ دان بھی ہے۔ یہاں کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ آپ حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ اور آستانہ امجد شریف سے آپ کو توسل ہے۔ مزار بہت بے مرمت ہو گیا تھا۔ بعدہٗ مرحوم سید شاہ فرید صاحب نے اپنے صرف خاص سے از سر نو پھر بنوا دیا اور تکلف کے ساتھ قل اور فاتحہ خوانی کی رسم ادا کی گئی۔ ایک زمانہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اہل حاجت یہاں آکر اپنی حاجت روائی کی دعا مانگتے ہیں۔ یہ بھی دستور ہے کہ مزار کے پاس آکر یہاں سے مٹی اور اینٹ کا کوئی ٹکڑا اٹھا لیتے ہیں اور اس کو مریض کے سرہانے رکھ دیتے ہیں۔ خدا انکو شفا بخشتا ہے۔ بعد شفا کے اس مٹی یا ڈھیلے کے ہم وزن شیرینی نیاز دے کر بچوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور اس ڈھیلے کو کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔

حضرت شاہ ماہرو قدس سرہٗ

آپ کا مزار رکا کو مڈل اسکول کے متصل واقع ہے۔ آپ کے دونوں صاحبزادوں کے مزارات بھی وہیں ہیں جنکے نام شاہ شکر اللہ اور شاہ نصر اللہ تھے۔ اس خاندان کے اور دیگر لوگوں کے مزارات بھی آس پاس پختہ و خام پائے جاتے ہیں۔ آپ کا قیام جس مقام پر تھا اسکو تکیہ ماہرو کہتے ہیں اور اسی نام سے کچھ اراضی بھی تھی۔ اس بستی میں آپکے خاندان کا کوئی فرد اب نظر نہیں آتا۔ البتہ چیری ڈمری جو ایک دیہات ہے وہاں کچھ لوگ آپکے وابستگان کہے جاتے ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ شاہ شکر اللہ سے اور راقم کے خاندان سے بذریعہ مصاہرت کچھ تعلق ضرور رہا ہے کیونکہ موضع محمود پور رکا کو میں کچھ حصہ دونوں خاندان کا مشترک تھا جو بذریعہ بٹوارہ کلکٹری اجمال میں تقسیم ہو گیا۔

حضرت شاہ حافظ محمد اشرف قدس سرہٗ

آپ کا مزار کہاں ہے معلوم نہ ہو سکا مگر یہاں کے باشندے تھے اور ایک ائمہ ان کے نام سے بستی میں مشہور ہے جسکو حافظ محمد اشرف چک کہتے ہیں جو معروف بہ ساٹھو بیگھہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپکو بیعت و خلافت حضرت احمد لنگر دریا بلخی سجادہ نشین خانقاہ بہار شریف سے ہے۔

حضرت سید شاہ محمد شاہ قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ محمد درویش قدس سرہٗ کے فرزند ہیں اور حضرت حاجی الحرمین شریفین سید حسن ہراتی کی اولاد ذکور سے ہیں۔ آپ رضوی سید ہیں۔ آپ کا نسب نامہ آگے صفحات میں مندرج ہے۔ آپ کی شادی ہمارے جد امجد مخدوم سید شاہ حبیب اللہ قدس سرہٗ کی بڑی صاحبزادی بی بی ناصرہ مرحومہ سے ہوئی تھی۔ آپ کے تین فرزندان ذکور تھے۔ سب سے بڑے حضرت شاہ غلام غوث جن کی شادی بی بی ہنگن بنت شیخ قدرت اللہ مرحوم سے ہوئی مگر نسل جاری نہیں ہوئی، دنیا سے لاولد رخصت فرما گئے منجھلے بیٹے حضرت ملا شاہ وارث علی قدس سرہٗ اور چھوٹے فرزند سید شاہ مردان علی علیہ الرحمۃ تھے جن کا ذکر آئندہ صفحات میں ملیں گے۔

حضرت سید شاہ محمد شاہ کو غالباً بیعت اپنے خسر معظم سے ہوگی۔ صاحب اجازت وخلافت تھے جس کی تصدیق مؤلف کو آپکے پوتے جناب شاہ محمد علی عرف شاہ بھتن مرحوم سے ہوئی آپ درویش کامل تھے اور طویل عمر پاکر اس جہان فانی

کو خیر باد کہا۔ آپ کا مزار پر انوار بہ مقام میاں باغ (کاکوی) اپنے والد ماجد شاہ درویش علیہ الرحمتہ کی پہلو میں واقع ہے۔

آپ کی آنکھیں پر جلال تھیں اسی لئے ہر وقت آنکھیں بند رکھا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک بار سامنے نیم کے درخت پر آپ کی نظر جو پڑ گئی تو درخت جلنے لگا۔ لوگ آپکے سامنے آنے سے ڈرتے تھے۔

آپ کی اہلیہ بھی بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ دن رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب آپ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے مزار پرانوار پر حاضری کے لئے جاتیں تو حجابات ظاہر اٹھ جاتے اور دو بدو ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا۔ کیوں نہ ہو آپ ایک برگزیدہ بزرگ کی بیٹی بھی تھیں اور ایک خدا رسیدہ بزرگ کی اہلیہ بھی [مادہ پرستی کے دور میں گرچہ یہ روایت قابل قبول نہ ہو مگر یہ کار با کار (اقتباس) از خود مگیر۔ مرتب ع۔ک۔]

نسب نامہ حضرت سید شاہ محمد شاہ قدس سرہٗ

{ یہ نسب نامہ مؤلف کتاب ہٰذا کو بذریعہ جناب شاہ ذکریا مرحوم مغفور ملا جو حضرت مذکور الصدر کے پرپوتے تھے }

سید شاہ ابن محمد شاہ ابن سید شاہ محمد درویش ابن سید شاہ محمد اولیا بن سید شاہ عبد الغفار بن سید شاہ عبد الفتاح سلمانی بن سید مخدوم بڑے بن سید حبیب الدّین بن سید عبد العزیز بن سید عبد الحمید بن سید سراج الدّین بن سید معز الدّین سید محمد۔

آپ کے اوپر کے بزرگان زمانے کی بدامنی اور سورش سلطانی کے باعث اپنے وطن کو چھوڑ کر مع اہل وعیال ہرات میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر وہاں سے شہر لکھنؤ کے قریب ایک قریہ نام خالص پور میں منتقل ہوئے۔

آگے کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔

بن سید حسن حاجی الحرمین الشریفین ہروی (ہراتی) بن سید ابو الحسن بن سید محمد رضا بن سید محمد یحییٰ صوفی بن سید محمد سفیان بن سیّد محمد رضا بن سیّد محمد بن سید اسماعیل بن سیّد محمد جعفر بن سیّد محمد تقی بن سید محمد نقی بن حضرت امام علی موسیٰ رضا بن سید موسیٰ کاظم بن حضرت امام جعفر صادق بن

ابن حضرت امام باقر بن حضرت امام زین العابدین حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا بن حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

جیساکہ اوپر مذکور ہوا اس خاندان کے افراد ایک عرصہ تک ہرات رہے پھر اودھ (لکھنو) کے پاس ایک قریہ میں رہے جس کا نام خالص پور تھا جو اوپر مذکور ہوا پھر وہاں سے نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ خاندان بہار آکر موضع کاکو سے متصل ایک گاؤں جس کا نام بھی خالص پور تھا۔یا اندازیہ ہے کہ اس خاندان کے افراد نے اس قیام کی وجہ سے اس مقام کا نام بھی خالص پور ہی رکھ دیا ہوگا مقیم رہے۔

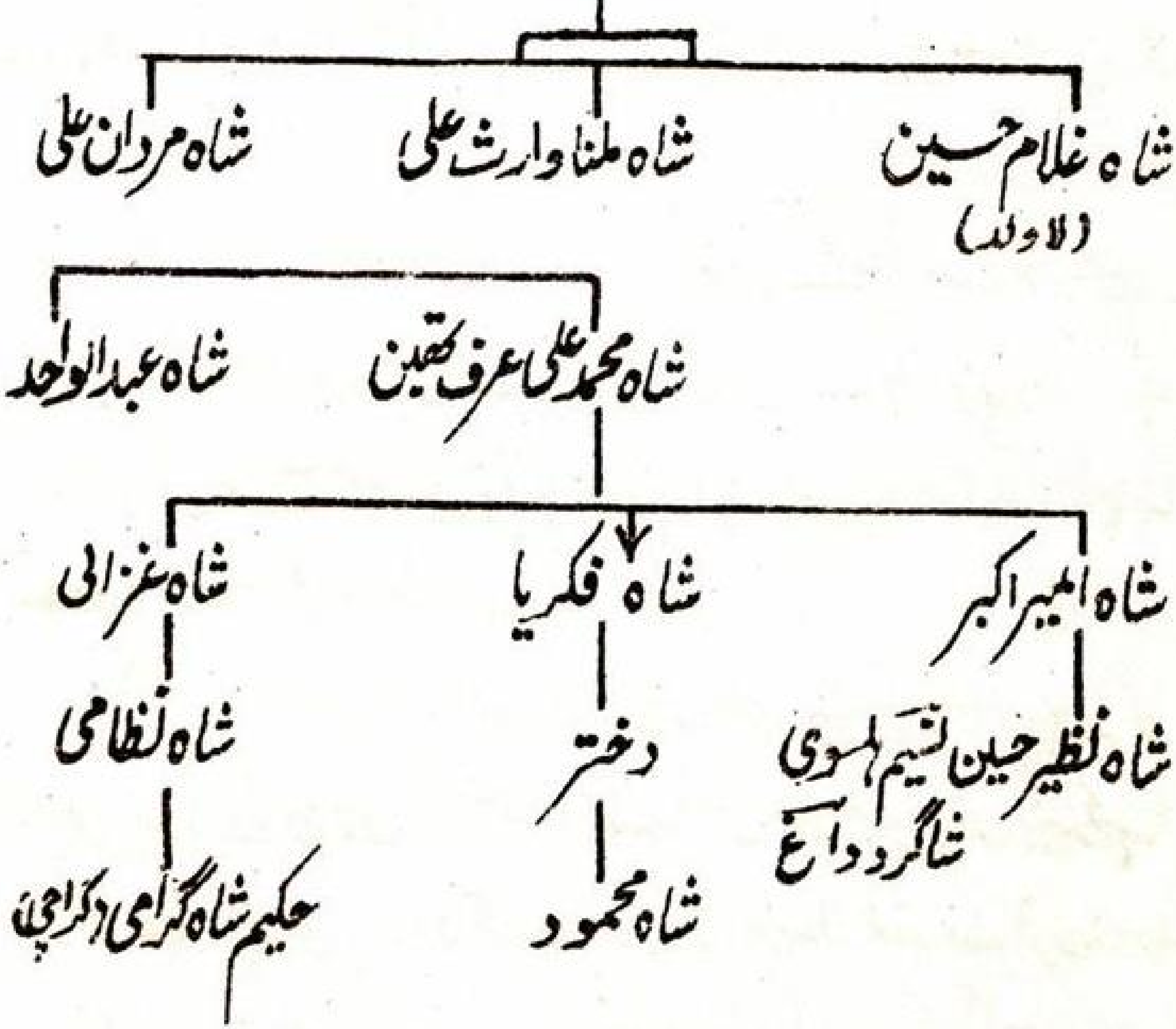
اس خاندان کے اکثر بزرگوں کے مزارات خالصپور میں ابتک موجود ہیں۔ ــــــ یہ زمین اب غیر مزروعہ ہے مگر کسی کی ہمت نہیں کہ اس کو آباد کرے جو آباد کرنا چاہتا ہے وہ نقصان عظیم اٹھاتا ہے۔

الغرض سید شاہ محمد درویش علیہ الرحمتہ خالص پور کو چھوڑکر کاکو بستی میں آکر مقیم ہوئے اس مقام کو میاں بگیہ کہا جاتا ہے۔پھر جب شاہ محمد درویش علیہ الرحمتہ کے فرزند سید شاہ محمد شاہ علیہ الرحمتہ کی شادی مؤلف کتاب ہذا کے جداعلی حضرت مخدوم شاہ حبیب اللہ کی صاحب زادی سے ہوئی تو

اپنے سسرالی مکان کے متصل آکر مقیم ہوئے اور آجتک آپ کے خاندان کے افراد کا مکان مؤلف کے خاندانی مکان کے پاس ہی واقع ہے۔

نسب نامہ مذکورہ بالا و دیگر حالات وقیام خاندان وغیرہ راقم کو عمی شاہ ذکریا و شاہ غزالی مرحومین سے معلوم ہوئے یہ دونوں حضرات جناب سید شاہ محمد شاہ قدس سرہٗ کے پرپوتے ہیں۔

شجرہ نسب ماںجل حضرت سید شاہ محمد شاہ قدس سرہٗ



حضرت سید شاہ ملنا وارث علی قدس سرہٗ

آپ حضرت سیّد شاہ محمد شاہ قدس سرہٗ کے منجھلے فرزند تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے خال معظم حضرت سیّد کلیم اللہ عرف شاہ دھومن قدس سرہٗ (فرزند حضرت مخدوم سید شاہ حبیب اللہ قدس سرہٗ) کی خدمت اور صحبت میں رہے۔ آپ نے اپنے خال محترم سے عرض کی کہ مجھے اپنے شرف بیعت سے نوازئے جواب ملا کہ ابھی اس کی جلدی کیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور میری بیعت لے لی اور اپنا نام "لسانی قرآن" اور مکان "باغستان" بتایا۔ دل میں برابر تشویش رہی کہ معاملہ کیا ہے۔ کچھ بات سمجھ میں نہ آتی تھی اسی عرصہ میں کسی بزرگ کے عرس میں شریک ہونے کے لئے حضرت آیۃ اللہ وارثی قادری قدس سرہٗ پھلواری شریف سے عظیم آباد آئے عرس کے بعد حضرت شاہ کلیم اللہ عرف شاہ دھومن قدس سرہٗ سے ملنے آئے جوان دنوں بیگمات کی حویلی میں تشریف فرما تھے۔ ملاقات کے بعد جب پھلواری شریف جانے لگے تو شاہ ملنا وارث علی کو آپ کے ماموں نے حکم دیا کہ شاہ صاحب کو سواری پر بیٹھلا دو۔ وہ ساتھ

چلے تو عرض کی مجھے بھی پھلواری شریف لے چلیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ماموں صاحب سے اجازت لے لو۔ الغرض وہ اجازت لے کر ساتھ چلے اور پھلواری پہنچے۔ دو تین دنوں کے بعد جناب شاہ صاحب سے عرض کی میری بیعت لے لیجئے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کہ میں نے تو بیعت پہلے ہی لے لی ہے۔ اور اپنا نام اور پتا بھی بتا دیا تھا۔ تب ان پر یہ بات واضح ہوئی کہ نشانی قرآن سے مراد آیت اللہ اور باغستان سے مراد پھلواری تھا۔ آپ وہاں کچھ دن رہ کر تعلیم باطنی حاصل کی اور اجازت و خلافت سے مشرف ہو کر واپس آئے۔ آپ کا سلسلہ بیعت حضرت مولانا سید وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔

حضرت ملنا وارث علی صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں آپکے تین فرزند تھے۔ دو تو لاولد اس جہاں سے گئے۔ ایک سے نسل چلی تو مگر اس نسل کے افراد کہیں دوسری جگہ منتقل ہو گئے کاکو سے سروکار نہ رہا۔ آپ کے دو بھتیجے یعنی سید محمد علی عرف شاہ بھتن اور سید عبدالواحد ہی آپ کی شفقت اور محبت کے مورد رہے۔ ان دونوں کی بیعت لے کر اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا مزار بستی سے پورب جو ایک مقام رٹھیا کہلاتا ہے وہاں حضرت سید شاہ علی اکبر دانش مند قدس سرہٗ کے پائیں میں واقع ہے۔

حضرت سید شاہ مردان علی قدس سرہٗ

آپ حضرت سید محمد شاہ کے چھوٹے فرزند تھے، آپ کو بیعت و خلافت، اجازت و تعلیم باطنی اپنے خال معظم حضرت سید شاہ کلیم اللہ عرف شاہ دھومن قدس سرہٗ سے ملی۔ آپ ساری عمر اپنے پیر و مرشد کی محبت و خدمت میں رہے اور بعد وصال بھی آپ کا مزار انہیں کے پائیں میں ہے۔ آپ کی فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ سکندر نامہ کا درس طلباء کو اچھی طرح دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نظامی گنجوی نے سکندر نامہ خوب لکھا ہے اور ہم نے اس کو خوب سمجھا ہے۔

آپ کی شادی موضع اکنگرڈیہہ میں جناب قاضی بدیع الدین مرحوم کی صاحب زادی سے ہوئی تھی جن سے دو فرزند اپنا یادگار چھوڑے۔ بڑے لڑکے کا نام سید محمد علی عرف شاہ بھتن مرحوم اور چھوٹے کا نام سید شاہ عبد الواحد مرحوم تھا۔

حضرت سید شاہ محمد علی عرف شاہ چھتن مرحوم مغفور

آپ جناب سید شاہ مردان علی قدس سرہٗ کے بڑے فرزند تھے آپکی ولادت ۱۲۰۱ھ فصلی (سنہ ۱۲۱۰ھ) میں ہوئی۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو اپنے چچا حضرت شاہ وارث علی قدس سرہٗ سے طریقہ قادریہ وارثیہ میں مرید ہوئے اور تعلیم و تربیت باطنی پاکر اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ وضع و پوشاک کے لحاظ سے آپ متقدمین کے پیرو تھے اور ورد و وظائف میں سختی سے پابندی کرتے تھے۔

آپ نے تین شادیاں یکے بعد دیگرے کیں اور تینوں اہل خانہ سے ایک ایک فرزند ہوئے۔ تینوں بیویاں آپ کی زندگی ہی میں فوت کر گئیں۔ گرچہ تینوں کی وفات کے بعد آپ ایک عرصے تک زندہ رہے مگر پھر کوئی شادی نہیں کی۔

آپ کی پہلی شادی موضع اساڑھی ضلع پٹنہ میں میر عبداللطیف مرحوم کی حقیقی بہن سے ہوئی تھی ان کے بطن سے سید شاہ حاجی محمد امیر اکبر مرحوم پیدا ہوئے، دوسری شادی آپ کی موضع نوری چک ضلع پٹنہ میں میر عنایت علی مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ ان کے بطن سے سید شاہ ذکریا پیدا ہوئے۔ تیسری شادی آپ کی شیر گھاٹی ضلع گیا میں مولوی بدیع الدین کی لڑکی سے ہوئی جن کے

بطن سے سید شاہ محمد غزالی مرحوم پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ بھیق مذکور نے عمر طویل پائی۔ ۱۲۹۱ فصلی (۱۳۰۱ھ) میں نوے سال کی عمر میں علیل ہوئے۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو ان کو رٹ لگ گئی کہ مجھے ڈبتی باغ (قبرستان حضرت مخدوم شاہ حبیب اللہ قدس سرہٗ) لے چلو۔ لوگوں نے ان کا پلنگ اٹھا کر ادھر ادھر گھماتے ہوئے پھر اسی جگہ لا کر رکھ دیا اور محض ان کی تشفی کے لئے کہہ دیا کہ ڈبتی باغ یہی ہے۔ ان کو سکون ہو گیا۔ چوں کہ ان کو ڈبتی باغ کے بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی اسلئے ان کی دلی خواہش تھی کہ وہاں مدفون ہوں اور اس بات کی اجازت حضرت عمی سید شاہ مبارک حسین مبارک کاکوی عظیم آبادی (شاگرد وحید الہ آبادی) سے حاصل کر لی تھی۔ وفات کے بعد وہیں مدفون ہوئے۔

اب آپ کے تینوں فرزندوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

سید شاہ حکیم امیر اکبر مرحوم:۔ آپ شاہ مردان علی مرحوم کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی شادی موضع جیتی نگر (ہلسا) ضلع پٹنہ میں میر علی قادر علی مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد اب اپنا آبائی وطن کاکو چھوڑ کر سسرال باشی ہو گئے اور ہلسہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے کم سنی ہی میں اپنے دادا شاہ مردان علی قدس سرہٗ کے حقیقی بھائی حضرت ملا وارث علی قدس سرہٗ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تھی

جب آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو دوسری شادی حضرت سجاد علیہ الرحمتہ (داناپور) کی صاحب زادی سے ہوئی۔ شادی کے بعد اپنے خسر معظم مذکور کے حلقہ ارشاد و تعلیم میں داخل ہوئے۔ عمر طویل پائی۔ ہلسہ میں وفات پائی اور مزار بھی وہیں ہے۔

سید شاہ حکیم اشفاق مرحوم آپ حکیم سید شاہ امیر اکبر مرحوم کی پہلی اہلیہ (ساکن ہلسہ) کے بطن سے تھے۔ ان کی شادی موضع گرائے پر سرلٹے ضلع پٹنہ میں میر ولی احمد مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تو وہیں مقیم ہو گئے۔ آپ کو بیعت جناب شاہ بدرالدین علیہ الرحمتہ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے تھی۔

سید حکیم زہیر صاحب آپ حکیم سید شاہ امیر اکبر مرحوم کی دوسری اہلیہ (ساکن داناپور دختر حضرت سجاد علیہ الرحمتہ) کے بطن سے ہیں۔ آپ اپنی ننہال ہلسہ ہی میں مقیم ہیں۔ آپ کو بیعت جناب حاجی سید شاہ عطا حسین علیہ الرحمتہ مولدا داناپور اور مرقدا نادرہ گنج گیا سے ہے جو آپ کے نانا کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے مگر چوں کہ جناب حاجی صاحب مذکور کا انتقال ہو گیا تو ارشاد جناب شاہ بدرالدین علیہ الرحمتہ پھلواری شریف سے حاصل کیا۔ موضع ہلسہ میں قیام ہے

اور وہیں طبابت کرتے ہیں صاحب اولاد ہیں۔

سیّد شاہ نظیر حسین مرحوم نسیمؔ:- آپ جناب سیّد شاہ حکیم زاہیر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ کا قیام بھی ہلسہ ہی میں رہا۔اردو شاعری کا ذوق تھا۔صاحب دیوان شاعر تھے اور داغؔ کے ممتاز شاگرد تھے۔ایک مختصر منظوم رسالہ بنام "گل تر" شائع ہوا تھا۔

سیّد شاہ ذکریا مرحوم آپ شاہ مردان علی مرحوم کے دوسرے فرزند تھے۔آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔پہلی شادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔پھر دوسری شادی موضع ابراہیم پور میں ہوئی۔چند اولادیں ہوئیں مگر سوائے ایک لڑکی کے سب صغر سنی میں فوت ہوئیں۔اس لڑکی کی شادی میر عوثی مرحوم ساکن چیری ڈمری سے ہوئی جس سے ایک لڑکا شاہ محمود ہوا جس کی شادی ہو گئی ہے۔

شاہ ذکریا مرحوم کو کسی سے بیعت نہ تھی،ستر سال سے زیادہ عمر پائی۔مزار خاندانی قبرستان رٹھیا میں ہے۔

سیّد شاہ غزالی مرحوم آپ شاہ مردان علی مرحوم کے تیسرے

فرزند تھے۔ آپ کی شادی سجاد علیہ الرحمتہ سجادہ نشین خانقاہ دانا پور کی چھوٹی صاحب زادی سے ہوئی۔ آپ کو بیعت اپنے خسر معظم سے تھی۔ صاحب اجازت و خلافت تھے۔ ورد و وظائف کے پابند اور بڑے صابر و شاکر بزرگ تھے

آپ کے ایک فرزند شاہ نظامی تھے جن کی شادی حضرت شاہ اکبر رحمتہ اللہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ حضرت اکبر دانا پوری آپ کے حقیقی ماموں تھے۔ آپ کو بیعت بھی اپنے خسر معظم سے تھی۔ آپ بہ سلسلہ ملازمت جناب سید قمر الہدیٰ خلف سید شمس الہدیٰ کے لڑکوں کی تعلیم پر بختیار پور میں تھے وہیں بہ عارضہ قلب وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا ایک لڑکا مسمیٰ حکیم گرامی ہے (حال مقام کراچی)

شاہ غزالی صاحب کی چند لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کی شادی شاہ محمد مبارک ساکن موضع امتھوا سے ہوئی جو امام بخش مرحوم ساکن کانو کے پوتے تھے۔ اور جنہوں نے بڑا انتواں بستی میں بنوایا تھا ان سے چند لڑکے شاہ ظفر، شاہ نصر، شاہ قمر وغیرہ ہیں۔ ایک لڑکی کی شادی شاہ اسد اللہ مرحوم ساکن کاکو سے ہوئی جن سے چند فرزندان شاہ سراج، شاہ محی الدین اور ڈاکٹر غلام حیدر ہوئے۔ ایک اور لڑکی سے چند نواسے ہوئے۔ نام معلوم نہیں۔

ایک لڑکی شاہ چاند صاحب سجادہ نشین خانقاہ میتھو شریف گیا سے ہوئی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت سید شاہ مولانا عبدالغنی قدس سرہٗ

آپ کا ننہالی واسطہ حضرت سلیمان لنگر زمین اور سید شاہ رکن الدین رح سے بذریعہ ایک وثیقہ کے معلوم ہوا۔ ایک بزرگ سید شاہ فدا علی مرحوم کے وصیت نامے سے بھی پتا چلا کہ مولانا کا تعلق اس بستی سے ننہالی ہے۔ آپ کی دادیہال کہاں تھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ آپ رضوی سید اور اعلیٰ درجے کے عالم باعمل فاضل اکمل اور درویش عارف باللہ تھے۔ آپ کو شرف بیعت داناپور کے کسی بزرگ سے تھا اور تعلیم و تربیت حضرت حاجی تاتار علیہ الرحمتہ سے ہوئی جن کا مزار اور مسجد محلہ جمیم ڈوریہ پٹنہ میں واقع ہے

مولانا کے پیر طریقت تو داناپوری بزرگ تھے۔ مگر مرشد حضرت تاتار علیہ الرحمتہ ہی تھے اور انہی کی صحبت میں رہ کر آپ نے تعلیم ظاہری و باطنی حاصل کی۔ جب حاجی صاحب کا انتقال ۱۲۲۲ھ میں ہوا تو آپ ہی ان کے جانشین ہوئے۔ اجازت و خلافت اپنے پیر و مرشد سے حاصل تھی۔ آپ کی شادی کہاں ہوئی اس کا پتا نہ چل سکا۔ مگر آپ کے فرزند ارجمند عالی مقام حضرت مولانا سید شاہ سمیع قدس سرہٗ بھی تھے جو آپ کے بعد جانشین ہوئے اور طریقہ بیعت کو جاری رکھا۔ حضرت شاہ سمیع کے صاحبزادہ

کا نام سید شاہ امام علی رح تھا۔ جن کی شادی کراۓ پر سرائے ضلع پٹنہ میں جناب میر امام علی مرحوم کی حقیقی ہمشیرہ سے ہوئی۔ میر امام علی مرحوم شمس العلماء نواب سید امداد امام کے پردادا تھے۔

سید شاہ امام علی کے چار فرزندان تھے۔ (۱) سید شاہ ولایت حسین (۲) سید شاہ فدا علی (۳) سید شاہ واجد علی (۴) سید شاہ محمد وحید۔

راقم نے ع۱ اور ع۲ کو تو نہیں دیکھا مگر ع۲ اور ع۳ کو تو اچھی طرح دیکھا تھا۔ دو بھائی لاولد دنیا سے رحلت کر گئے ع۱ سید شاہ ولایت حسین اور ع۴ سید شاہ محمد وحید صاحب اولاد ہوئے جن کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

سید شاہ ولایت حسین صاحب

ان کی شادی موضع جہان پور میں ہوئی تھی۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی تھی۔ بڑے لڑکے سید شاہ علی حسین مرحوم تھے جو اولاً پٹنہ میں وکالت کرتے تھے پھر منصف ہوئے بعدہٗ ترک ملازمت کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ ان کی شادی راقم الحروف کی حقیقی پھوپھی سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے ایک فرزند سید شاہ جمیل الرحمن مرحوم تھے، اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ سید شاہ جمیل الرحمان مرحوم کی شادی راقم الحروف کی منجھلی ہمشیرہ سے ہوئی۔ جن سے تین لڑکے سید شاہ عزیز الرحمن، سید شاہ حبیب الرحمن اور سید شاہ حکیم محبوب الرحمن ہوئے، سید شاہ علی حسین مرحوم کی جو دو لڑکیاں

تھیں ان دونوں کی شادی موضع جان پور ہوئی۔ ایک کی شادی مولانا خواجہ حمید الدین مرحوم سے ہوئی اور دوسری کی میر مولا بخش عرف منی مرحوم سے ہوئی۔ دونوں صاحب اولاد ہیں۔

سید شاہ ولایت حسین کے دوسرے فرزند کا نام امین حسین تھا۔ ان کی شادی محلہ ڈول پورہ (ڈھولپوری) پٹنہ میر نواب جان مرحوم کی حقیقی ہمشیرہ سے ہوئی۔ یہ برابر پٹنہ ہی میں رہتے مکان خاص محلہ باغ کالو خاں میں رہے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے بیٹے احمد حسین عرف احمد و تھے۔ آزاد منش تھے۔ شاعر بھی تھے اور تخلص احمد تھا۔ لاولد دنیا سے گئے۔

[مرتب کتاب ہذا نے اپنے طالب العلمی کے زمانہ میں ان کو پٹنہ میں دیکھا تھا۔ وارستہ مزاج تھے ان کے دو شعر مشہور ہیں۔

یہ لپیٹ نہیں جبیں پر ہے + مجھ پہ روتا مرا مقدر ہے

ٹوٹا طلسم جسم تو احمد کھلا یہ راز

تھوڑی سی اک لطیف ہوا تھی حباب میں

(مرتب: ع۔ک)

سید شاہ ولایت حسین کی جو لڑکی تھی اس کی شادی موضع سالار پور پٹنہ میں ہوئی جنکے دو بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے سید امیر حسن مرحوم تھے اور ان کے بیٹے سید محمد وجیہہ الدین دسب نو جسٹرار ہیں جو کرائے پر سرائے میں سکونت پذیر ہیں۔

سید امیر حسن مرحوم کی لڑکی کی شادی مولوی سید یوسف امام مرحوم ساکن کراٹے پرسرائے ضلع پٹنہ سے ہوئی جو ماشاء اللہ کثیر الاولاد ہیں۔ سید امیر حسن مرحوم کے دوسرے لڑکے تفضل حسین مرحوم تھے جن کی شادی سید شمس الہدیٰ مرحوم رئیس محلہ لودی کٹرہ پٹنہ کی لڑکی سے ہوئی جن سے دو بیٹے سید محمد حنیف اور سید محمد شریف بارایٹ لاں متوفی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ہوئے۔

سید شاہ ولایت حسین کے سب سے چھوٹے فرزند سید شاہ محمد حمید مرحوم ہوئے۔ اور دو لڑکیاں بھی تھیں۔ بڑی لڑکی کی شادی موضع راجا پور ضلع گیا میں منشی سید منظور الرحیم سے ہوئی تھی۔ صاحب اولاد ہیں۔ دوسری لڑکی کی شادی سید محمد ناظر مرحوم ساکن موضع اسنھوا ضلع گیا سے ہوئی تھی۔ یہ لاولد دنیا سے رحلت کر گئیں۔

سید شاہ محمد حمید مرحوم مغفور عہد طفولیت ہی سے بغرض تعلیم و تربیت آرہ شاہ آباد ہی بھیجے گئے وہیں بعد تحصیل علوم سرکاری ملازمت میں رہ کر بہ عہدہ سررشتہ دار صدر اعلا تک ترقی کی اور بلند نام اور ہر دل عزیز رہے۔ صاحب وقعت تھے اور ان کی گفتگو سے ملنے والے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ مدت ملازمت ختم کرنے کے بعد خانہ نشین ہو گئے۔

اختلاج قلب میں مبتلا تھے۔ بہت علاج ہوا مگر شفا نہ ہو سکی۔ اور بتاریخ ۹ ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ بوقت دوپہر انتقال کیا اور یہیں تجہیز و تکفین ہوئی۔ آپ کی پہلی شادی مفتی گنج میں ہوئی۔ بی بی نے لاولد انتقال کیا، تو پھر دوسری شادی مفتی گنج ہی میں اپنے حقیقی ہم زلف میر افضل حسین امین عدالت کی لڑکی سے بتاریخ ۱۵ ماہ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ ہوئی۔ جن سے ایک فرزند سید شاہ محمد فرید اور ایک دختر۔ دختر کی شادی شاہ ابوالحسنات ابن شاہ محمد یحییٰ ساکن امجھر شریف سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں۔

سید شاہ محمد فرید صاحب کی پہلی شادی اپنے حقیقی ماموں سید محی الدین صاحب ساکن مفتی گنج کی لڑکی سے ہوئی جن سے ایک لڑکے سید شاہ غلام منعم عرف ولی الحق اور ایک لڑکی شاہ ولی الحق کی شادی موضع کوپا ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ کوئی اولاد نہیں۔ لڑکی کی شادی راقم الحروف کے منجھلے لڑکے سید شاہ منظور الرحمٰن اختر سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں۔

شاہ فرید صاحب کی دوسری شادی ۱۳۴۳ھ میں مولوی سید عظیم الدین مرحوم ساکن محلہ میر داد بہار شریف کی لڑکی سے ہوئی۔ ماشاء اللہ چند آل اولاد ہیں۔

سید شاہ فرید کی ولادت کا سال ۱۳۰۱ھ ہے۔ یہ اپنی نانیہال مفتی گنج میں پیدا ہوئے۔ جوان، صالح، سنجیدہ، صلح کل

نیک طینت اور مسافر نواز ہیں۔ بزرگان دین سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کو بیعت و اجازت و خلافت جناب شاہ امیر احمد فردوسی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مخدوم شرف الدّین احمد یحیٰ امنیری سے ہے۔

حضرت مخدوم شیخ شمس الدّین دوانقی قدس سرہٗ

بغداد میں ایک قریہ دوانق تھا آپ وہیں سے مع اہل و عیال کاکو تشریف لائے آپ کے ساتھ ایک حجام اور ایک خادم کا کنبہ بھی ساتھ آیا۔ ان دونوں کا بھی خاندان ابتک بستی میں قائم ہے، اور نسل جاری ہے۔ آپ یہاں کب اور کیوں تشریف لائے اس کا کوئی علم نہیں۔ جس طرح سارے مشائخ برائے تبلیغ دین سارے ہند میں پھیل گئے آپ بھی اپنے وطن سے نکلے اور کاکو آکر قیام فرمایا۔ اپنے وقت کے برگزیدہ شیوخ میں تھے۔ آپ کا مزار پرانوار بستی کے پورب جانب لب خزانۂ آب واقع ہے۔ اس کا نام عام زبانوں پر سمن روضہ ہے مگر حقیقتاً وہ شمس روضہ ہے۔ آپ کا مزار ایک پختہ حلقہ کے اندر ہے جہاں آپ کے اہلیہ کی بھی قبر ہے اسی حلقہ میں اور بھی قبریں آپ کے عزیزان کی پائی جاتی ہیں۔

آپ کے دو فرزند تھے ایک کا نام مخدوم شاہ شام قدس سرہٗ تھا۔ جو کسی وجہ سے کاکو چھوڑ کر موضع شیخو گیہہ میں قیام پذیر ہوئے یہ مقام بہار شریف سے پچاس کوس کے فاصلہ پر منجانب پورب واقع ہے۔ سنا ہے کہ وہاں آپ کی اولاد سے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ آپ کے دوسرے فرزند حضرت مخدوم احمد براق قدس سرہٗ تھے جو کاکو ہی میں قیام پذیر رہے ان کے دو بیٹے تھے ایک کا نام حاجی صدرالدین تھا۔ یہ کاکو ہی میں رہے اور ان کی اولاد کی نسل آج تک جاری ہے۔ دوسرے بیٹے کا نام بدرالدین قدس سرہٗ تھا جو حضرت مخدوم غریب حسین دھکر پوش قدس سرہٗ کی معیت میں موضع مہسی چلے گئے۔ مگر آپ کے فرزند شیخ مبارک علی قدس سرہٗ کاکو ہی میں رہے ان کے چار بیٹے تھے اول شیخ نوراللہ دوم شیخ سام۔ سوم شیخ عالم چہارم شیخ محمد عبدالرحمٰن ان چاروں بزرگوں سے ایک نسل جاری ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کے متعلق مشہور ہے کہ بڑے شہ زور تھے۔ ان کی پہلوانی کی شہرت سن کر ایک پہلوان ان سے مقابلہ کرنے کو آیا اتفاق سے وہ ایک درخت کی موٹی شاخ کو جھکا کر بکریوں کو پتا کھلا رہے تھے۔ اس پہلوان نے آپ

ہی سے دریافت کیا کہ عبدالرحمٰن صاحب کہاں ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ یہ سمجھ گئے کہ مقابلہ کے لئے آیا ہے اس سے کہا کہ ذرا اس شاخ کو جھکائے رہو میں انکو بلا لاتا ہوں وہ اتنا شہ زور تھا درخت میں لٹک گیا۔ فرمایا کہ بس اسی قوت پر عبدالرحمٰن سے کشتی لڑوگے۔ میں ہی عبدالرحمٰن ہوں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن کے ایک فرزند عنایت اللہ تھے۔ ان کا حال معلوم نہیں دو بیٹیاں بھی تھیں۔ ایک کی شادی تو معلوم نہیں کہاں ہوئی، دوسری بیٹی جن کا نام بی بی رقعہ (یا رقیہ) تھا ان کی شادی حاجی الحرمین سید شاہ عبدالرحمٰن عرف حاجی محامد، ساکن موضع سیودھا پرگنہ سانڈا ضلع پٹنہ سے ہوئی۔ یہ مؤلف کتاب ہذا کے جد اعلیٰ سے تھے۔ یہ اپنے خسر کے ہم نام تھے۔ شادی کے بعد کاکو ہی میں قیام فرما ہوئے یہ اپنے خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے کاکو میں مسکن آباد کیا۔ آپ کا مزار بھی یہیں اس مقام پر ہے جس کو عرف عام میں ڈیپی باغ کہا جاتا ہے۔ اس خاندانی قبرستان میں صف اول میں پہلا مزار آپ ہی کا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا شیخ مبارک علی کے چار فرزند میں ایک کا نام شیخ نور اللہ تھا۔ ان کے چار فرزند تھے۔ وجیہہ اللہ۔ برکت اللہ، باب اللہ، اور فہیم اللہ۔ باب اللہ

لاولد قضا کر گئے۔ فہیم اللہ کی اولاد کا پتا معلوم نہ ہو سکا۔
وجیہہ اللہ کے بیٹے منشی افضل الدین تھے۔ ان کے چار بیٹے ہوئے۔ منشی عبدالرحیم، منشی عبدالحلیم، منشی عبدالعلیم اور منشی عبدالحکیم۔ بڑے بیٹے عبدالرحیم کے ایک لڑکی تھی جس کی شادی موضع موتی پور شاہ عبدالمجید صاحب سے ہوئی۔ ان کے بیٹے شاہ حافظ عبدالوحید ہوئے۔ بقیہ تینوں بھائی لاولد اس جہان فانی سے گئے۔ منشی عبدالحلیم نے اپنے ہم زلف سید محمد کبیر الدین ساکن کوپا ضلع پٹنہ کے لڑکے سید شرف الدین عرف محمد ابرار کو متبنیٰ لیا اور اپنی جائداد کا وارث قرار دیا۔ سید محمد ابرار کی ایک شادی شیخ تفضل حسین ساکن کوپا کی لڑکی سے ہوئی جس سے ایک لڑکی آسیہ خاتون کی شادی مولف کتاب ہذا کے چھوٹے لڑکے شاہ عطاء الرحمٰن سے ہوئی۔

شیخ برکت اللہ مرحوم (ابن شیخ نور اللہ) کے دو فرزند تھے ایک کا نام شیخ تفضل حسین دوسرے کا نام شیخ عبدالوہاب۔ بڑے تفضل حسین صاحب اولاد تھے حالات تفصیل سے معلوم نہیں۔ چھوٹے مولوی عبدالوہاب تھے جو بعہدۂ منصفی پر فائز رہے بہار گیا میں وکالت کرتے تھے۔ وہیں ۵ محرم ۱۲۹۲ھ کو انتقال ہوا۔ ان کا مزار گاکویلں شمس روضہ کے حلقہ میں ہے۔

آپ کی شادی اروَل ضلع گیا میں ہوئی تھی۔ تین لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔ بڑے لڑکے محمد یوسف حسین، منجھلے عبدالعزیز اور چھوٹے محمد سلیم تھے۔ محمد سلیم کم سنی میں فوت کر گئے۔

یوسف حسین محمد یوسف حسین کی شادی موضع مہدانواں متصل منیر شریف سید عبداللطیف مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ جس سے ایک فرزند فخرالدین محمد شمسی اور ایک لڑکی۔ فخرالدین شمسی کی شادی ۵ / محرم ۱۳۱۵ھ میں مولوی وحیدالدین مختار کی لڑکی سے ہوئی جس سے دو لڑکے زین الدین اور (ڈاکٹر) محی اللطیف ہوئے۔ اور چند لڑکیاں جن کی شادیاں راجا غلام حسین (یوپی) پروفیسر مسلم، عبدالباری ساقی بدر الحسن وکیل مظفرپور اور ڈاکٹر شفیق آرہ سے ہوئیں۔ سب صاحب اولاد ہیں۔

مولوی یوسف حسین کی لڑکی کی شادی مولوی عبدالرشید جسبٹرار رضبور یوکھرا سے ہوئی جن کے فرزند سید حسن (جج) ڈاکٹر محسن (پروفیسر) حسین (ڈپٹی کلکٹر) ڈاکٹر احسن، ڈاکٹر حنین احمد فیس اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ سب صاحب اولاد ہیں۔

مولوی عبدالعزیز مولوی عبدالعزیز کی شادی ۱۲۸۸ فصلی (۱۲۹۸ھ) میں مقام آرہ (شاہ آباد) مولوی نور الحسن منصف کی لڑکی سے ہوئی جن

سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی۔

بڑے بیٹے محمود شمسی تھے۔ جو دہلی میں سرکاری ملازمت کرتے تھے۔ بڑے خوش خلق اور صاحب ذوق تھے۔ شاعر تو نہ تھے مگر ادبی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی شادی قصبہ منیر شریف ضلع پٹنہ میں جناب مولوی فخرالدین کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ ایک لڑکی ان سے یادگار ہے۔ خود دوران ملازمت ہی میں قضا کر گئے۔ ایک نواسہ کا ظم یادگار ہے۔

مولوی عبدالعزیز کے دوسرے بیٹے عبدالودود شمسی تھے۔ الہ آباد میں تعلیم پائی اور گیا میں وکالت کرنے لگے۔ بڑے ذہین اور سربرآوردہ وکیل تھے۔ ان کی شادی ڈاکٹر اسحق ساکن اورنگ آباد ضلع گیا کی لڑکی سے ہوئی۔ افسوس ہے کہ عرصہ سے بیمار ہیں، کوئی اولاد نہیں ہوئی [لاولد انتقال کر گئے مرتب]

تیسرے بیٹے کا نام احمد شمسی۔ یہ اپنے بڑے بھائی محمود مرحوم کی جگہ پر دہلی میں سرکاری ملازمت میں رہے۔ ان کی شادی موضع موتے پور میں شاہ عبد المجید کی لڑکی یعنی منشی عبدالرحیم مرحوم کی نواسی سے ہوئی صاحب اولاد ہیں۔

چوتھے بیٹے حسن امام شمسی۔ ان کی شادی صادق

بور پٹنہ میں شمس العلماء یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کی لڑکی سے ہوئی۔ یہ شاعر ہیں تخلص "حسن" ہے۔ ایک مختصر مجموعۂ کلام چھپ گیا ہے۔

پانچویں بیٹے کا نام محمد نعیم شمسی ہے۔ یہ گیا میں وکالت کرتے ہیں۔ ان کی شادی سید محمد عمر ساکن موضع سید آباد ضلع گیا، کی لڑکی سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں۔

مولوی عبد العزیز کی لڑکی مولوی وزارت حسین صاحب ساکن موضع ارین ضلع مونگیر سے بیاہی گئیں، ان سے دو لڑکے پروفیسر اختر اورینوی اور فضل احمد (محکمہ پولیس) ہوئے۔ چند سال ہوئے کہ مولوی عبد العزیز حج کیلئے گئے تھے واپسی میں بمبئی میں انتقال کیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولوی عبد الوہاب مرحوم کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ بڑی بیٹی کی شادی قاضی سید شمس الہدیٰ ساکن موضع سنگر یانواں ضلع پٹنہ سے ہوئی جن کے فرزند قاضی سید نور الہدیٰ وکیل پٹنہ تھے۔ صاحب اولاد ہیں۔

[سید نور الہدیٰ کے فرزند قاضی سید سراج الہدیٰ (پٹنہ نوجنگ ہیں جن کی بڑی لڑکی سے مرتب کتاب ہذا کے فرزند سید شاہ عظیم الرحمٰن کی شادی ہوئی۔ ع۔ک۔]

مولوی عبدالوہاب کی دوسری بیٹی کی شادی موضع حبیب پور ڈمرٹی ہوئی۔ ان سے دو لڑکے ایک محمد ادریس جن کی شادی خان بہادر شاہ محمد کمال کی لڑکی سے ہوئی دوسرے محمد عبدالقدوس وکیل ہیں جن کی شادی دختر شاہ محی الدین ساکن امتھوا سے ہوئی۔ دونوں صاحب اولاد ہیں۔

سیّد شاہ عبدالواحد مرحوم

آپ سید شاہ مردان علی قدس سرہٗ کے چھوٹے فرزند تھے ۱۲۱۰ فصلی مطابق ۱۲۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شادی موضع مانڈھی ضلع پٹنہ میں شیخ واحد علی مرحوم کی لڑکی بی بی مہرن سے ہوئی تھی۔ آپ سے دو لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں۔ بڑے بیٹے شاہ علی اکبر تھے جو لاولد اس جہان سے چلے گئے۔ دوسرے بیٹے محمد ابوالعلا تھے جنہوں نے شاہ علیمی مرحوم مغفور ساکن موضع انجم شریف کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ پچھتر برس کی عمر پاکر ۱۲۹۵ھ میں بعارضہ پلیگ انتقال کیا۔ مزار تواری بگھہ حضرت سید شاہ قیام الدین رح و حضرت سید شاہ اسرار اللہ رح کے پائیں میں ہے۔ آپ بڑے ملنسار

اور نیک مزاج تھے۔

شاہ عبدالواحد مرحوم کی جو دو لڑکیاں تھیں اُن میں ایک کا نام بی بی مصرن تھا جنکی شادی موضع سائیں ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ جنکے بیٹے سید محمد ضمیر مرحوم تھے اور دو لڑکیاں بھی تھیں ایک کی شادی موضع کوہرہ ضلع گیا میں ہوئی تھی۔ اولاد کا حال معلوم نہیں۔ دوسری لڑکی بی بی زہرن تھیں جن کی شادی شجاعت حسین مرحوم ساکن موضع ڈمروان ضلع پٹنہ سے ہوئی۔ جن سے دو بیٹے شاہ پیارے اور شاہ محمد موسیٰ ہوئے۔ شاہ پیارے کی شادی موضع محمدول میں میر امجد حسین مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ ایک نواسہ تیم یادگار ہے۔ محمد موسیٰ مرحوم کی شادی موضع استھواں میں میر محمد باقر مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ نوتیہ عارضہ ہیضہ انتقال کر گئے۔ دو لڑکے یادگار ہیں۔

جناب سید شاہ عبدالواحد کو اپنے حقیقی چچا سید شاہ ملنا وارث علی رحمت سے تھی۔ اجازت و خلافت بھی تھی۔ آپ صوم و صلوٰۃ اور اورادو وظائف کے سخت پابند تھے۔ دنیوی معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تعزیہ داری بھی بڑے خلوص و عقیدت سے کرتے تھے۔ آپ کا انتقال اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا۔ عمر ۸۰ سال کے قریب تھی۔ مزار خاندانی قبرستان میں ہے۔ خدا غریق رحمت کرے۔

دیگر مزارات

کاکو بستی کی قدامت تو ظاہر ہی ہے۔ آج سے سات سو سال پہلے یہاں مسلم آبادی کا آغاز ہوا۔ اس طویل عرصے میں نہ جانے کتنے بزرگان اور اہل اللہ گزرے جن کے مزارات مختلف مقامات پر آج بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں مل جاتے ہیں۔ انہی مزارات میں سے ایک مزار حکیم اکبری مرحوم کے پیش دروازہ اور پس پشت مکان زنانہ منشی محمد الحلیم مرحوم واقع ہے جس کو لوگ انجان پیر کا مزار کہتے ہیں یہاں پر اب بھی نذر و نیاز کی رسم جاری ہے۔

ایک مزار شیخ کمال الدین عرف ڈومی میاں مرحوم کے پیش دروازہ ہے۔ یہ مزار کون سے بزرگ کا ہے کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح اور جگہوں پر بھی بہتیرے مزارات ملتے ہیں جن کے نہ کوئی نام سے واقف ہے نہ حالات سے۔

اسی طرح ایک دروازہ مزار پیش دروازہ حاجی حبیب الحسن بجانب شمال واقع ہے۔ مزار احاطے سے گھرا ہوا ہے۔ کوئی نام نہیں جانتا مگر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ مزار مسجد تعمیر کردہ قاضی عبد الکریم مرحوم کے پاس واقع ہے اسلئے شاید قاضی صاحب ہی کا مزار ہو۔ مزار پر کی نیاز ی اور چراغی کی رقم لوگ شیرینی قاضی صاحب

سے ارشاد لیتے تھے۔ مگر اب ان کے ورثا میں کوئی نہ رہا تو جناب حاجی صاحب مذکور لیتے ہیں۔ عیدگاہ سے باہر پورب جانب اور خاص عیدگاہ کے اندر بھی اور کربلا کے حلقہ میں ایسے بہت سے مزارات پختہ و خام ہیں جن کے متعلق کوئی واقفیت نہیں کہ یہ کس کے ہیں۔ یہ روایت عام طور پر سینہ بہ سینہ مشہور ہے کہ جب حضرت مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کاکو اپنی خالہ سے ملنے یا ان کی وفات کے بعد بھی آتے تھے تو فرماتے تھے کہ کاکو بستی میں قدم سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہاں قدم قدم پر بزرگوں کے مزارات کثرت سے پائے جاتے ہیں ـــــ مؤلف کتاب ہذا کے بزرگان سلف یعنی حضرت سید شاہ عبدالرحمٰن قدس سرہٗ سے لے کر آج تک جو آٹھ پشتوں تک ہیں سب کے سب ایک مرتفع زمین پر یکجا ابدی آرام فرما رہے ہیں۔ اس مقام کو ڈیہی باغ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں باغ ایک مقام ہے وہاں بھی چند اکابرین پیشین کے مزارات ہیں۔ اسی طرح ڈیہی باغ سے دکھن ایک مقام لقانگر بڑی پر فضا جگہ ہے وہاں بھی کثرت سے بزرگوں کے مزارات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ یہیں حضرت سلیمان لنگر زمین کا بھی مزار ہے اور مولانا عبدالغنی رحؒ کا بھی۔

(لقانگر سے متعلق ایک روحانی حکایت کسی دوسری جگہ بیان کی جائے گی)۔

حضرت حاجی الحرمین شریفین سیدشاہ محمد عبدالرحمٰن

قدس اللہ سرہٗ، کاکوی سیودھوی

آپ کا نسب نامہ باوجود سعی بلیغ مؤلف کو نہ مل سکا۔ مگر ایک قدیم خاندانی تقسیم نامہ ہاتھ آیا جس میں یہ مرقوم تھا، کہ سید شاہ عبدالرحمٰن ابن سید شاہ عبدالحی بن سید شاہ فیروز ساکن موضع سیودھا۔ موضع سیودھا ایک دیہات ہے جو ترگنا اور پن پن اسٹیشن کے درمیان دردھا ندی کے کنارے واقع ہے۔ اس کا پرگنہ ساندہ اور ضلع پٹنہ ہے سید شاہ عبدالرحمٰن کی شادی چونکہ کاکو کے ایک برگزیدہ بزرگ حضرت مخدوم شاہ شمس الدین دوالقی قدس اللہ سرہٗ کے پرپوتے حضرت شیخ عبدالرحمٰن کی دختر سے ہوئی اس لیے آپ اپنی سسرال ہی میں سکونت پذیر ہوئے۔ مگر سیودھا آنا جانا ہوتا رہا۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن مؤلف کتاب ہذا کے مورث اعلیٰ ہیں۔ جن سے آج آٹھویں پشت کاکو میں سکونت پذیر ہے۔ بقول مؤلف ؎

جد اعلیٰ سے کاکو کے داماد
آٹھ پشتوں سے ہوں یہیں آباد

آپ کے بعد کا پورا نسب نامہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

آپ کے تین فرزندان ہوئے۔ فرزند اول حضرت سید شاہ امان اللہ عرف شاہ مانو۔ فرزند دوم حضرت سید شاہ عطی اللہ عرف شاہ کانو۔ فرزند سوم حضرت سید شاہ محمد ردمی۔ پہلے اور تیسرے فرزند کی نسل کچھ دنوں تک چلتی رہی پھر کچھ پتا نہیں۔ مگر فرزند دوم یعنی شاہ کانو کی نسل بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔

حضرت سید شاہ عبد الرحمٰن چونکہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے شرف یاب تھے اس لیے ان کا لقب حاجی حامد مشہور ہوا۔ اور چونکہ خسر اور داماد دونوں ہم نام تھے اس لیے کبھی یہ حاجی حامد ہی کہلاتے رہے۔

آپ کو بہ عہد سلطنت بادشاہ فرخ سیر سنہ ۳ جلوس میں چند مواضعات کاکو کے آس پاس بطور نذرانہ خانقاہ حاصل ہوئے مثلاً محمود پور دیورتھ، احمد پور کرہرا، چک عبد الرحمٰن، جو اب تک اس خاندان کے افراد کے قبضہ میں ہیں۔ فرمان شاہی بھی خاندان میں موجود تھا۔

موضع سیودھا کے ایک معمر بزرگ میر راحت حسین صاحب جن کی عمر اس وقت ۸۰ سال سے کم نہیں اور جن سے مؤلف کا رشتہ جدّی بھی ہے فرماتے تھے کہ یہ خاندان ملک عرب سے

نکل گر اور دیگر مقامات میں پھرتا پھراتا صوبہ بہار پہنچا اور بالآخر موضع برالواں متصل موضع نتول ضلع پٹنہ میں قیام پذیر ہوا پھر موضع رسیود ھا جو وہاں سے سات کوس پر واقع ہے سکونت پذیر ہوا۔ میر صاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ کا نام سید شاہ تاج الدین رضوی تھا۔

شاہ عبدالرحمٰن قدس اللہ سرہٗ کا انتقال کس سال ہوا یہ تو معلوم نہیں۔ آپ کا مزار خام خاندانی قبرستان مسمیٰ بہ ڈیہی باغ میں صحن مرتفع پر واقع ہے۔ اس چبوترے پر سب سے پہلا مزار حضرت ہی کا ہے۔ آپ کے اور کچھ حالات معلوم نہیں۔ بیعت کس سے تھی اس کا بھی علم نہیں مگر قیاس ہے کہ خاندان میں سلسلہ بیعت تھا۔ شاید اپنے والد ماجد سید شاہ عبدالحیؒ سے بیعت ہو گی۔

برادرم خان بہادر سید شاہ محمد کمال نے جو اسی خاندان کے ایک فرد ہیں، انگریزی زبان میں ایک خاندانی نسب نامہ رشتہ کے ایک بزرگ سے دریافت کر کے چھپوایا تھا۔ چونکہ وہ غلط فہمی پر مبنی تھا اس لیے اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اہل خاندان کو چاہیے کہ اس پر ہرگز اعتماد نہ کریں۔

حضرت سید عطی اللہ عرف شاہ کا نورؒ

افسوس ہے کہ آپ کے متعلق راقم کو کوئی اطلاع نہ مل سکی کہ آپ

کی شادی کہاں ہوئی تھی۔ ہاں اتنا البتہ معلوم ہے کہ آپ کے تین فرزندان تھے۔ (۱) فرزند اول حضرت سید محبوب اللہ (۲) فرزند دوم حضرت سید محمد اسحٰق۔ (۳) حضرت مخدوم سید شاہ حبیب اللہ قدس اللہ سرہ۔

فرزند اول کے متعلق یہ علم ہوا کہ آپ کٹرا مانک پور متعلقہ شہر الہ آباد میں کسی جنگ میں شہید ہوئے۔ کوئی اولاد یادگار نہیں۔

فرزند دوم کی نسل جاری تو رہی مگر کاکو میں سکونت نہ رہی مختلف جگہوں میں پھیل گئی۔ ایک معمر بزرگ سے معلوم ہوا کہ موضع جیری ڈمری میں جو کاکو سے کچھ فاصلے پر ہے آپ کے سلسلے کے کچھ لوگ وہاں بستے تھے۔

آپ کے فرزند سوم حضرت مخدوم سید شاہ حبیب اللہ قدس اللہ سرہ کی اولاد بفضلہ پھولتی پھلتی رہی اور اب تک یہ سلسلہ قائم ہے۔

حضرت شاہ کانو کے دیگر حالات سے آگاہی نہ ہوئی یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کو بیعت کہاں تھی۔ آپ کا مزار ڈینی باغ خاندانی قبرستان میں قطار اول میں واقع ہے۔

حضرت مخدوم سید شاہ حبیب اللہ رضوی قادری فردوسیؒ

آپ اپنے وقت کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ آپ کے خاندان میں سلسلہ بسلسلہ فقر چلا آتا رہا۔ آپ خود اعلیٰ درجے کے درویش عارف باللہ تھے۔ آپ کو بیعت طریقہ قادریہ میں حضرت شاہ

علی اسلم گویا دل قلندر صوفی قادری قدس سرہٗ سے تھی جن کا مزار محلہ چھپکھرا بازار پٹنہ میں ہے۔

آپ کی شادی اول شیخ کبیری بالیدپور میں جناب حضرت دیوان شاہ رفیع الدین بلخی قدس سرہٗ کی صاحب زادی سے ہوئی تھی اور آپ کو ارشاد واجازت و خلافت طریقہ کی دیوان صاحب ہی سے ملی تھی۔ آپ کو حضرت سید شاہ قیام الدین رح سے جن کا ذکر اسی کتاب میں آچکا ہے غایت اتحاد تھا معمول تھا کہ روزانہ صبح کو بعد فراغت فرائض واشغال وغیرہ آپ شاہ قیام الدین رح کی خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور وہ بھی بعد نماز عصر آپ کی خانقاہ میں تشریف لاتے۔ خاندانی روایت سننے میں آتی ہے کہ ایک بزرگ دور دراز سے سفر کرتے ہوئے کاکو تشریف لائے اور خانقاہ شاہ قیام الدین رح میں فروکش ہوئے۔ صبح کے وقت حسب معمول جب شاہ صاحب ملنے آئے تو درویش موصوف کو وہاں دیکھا۔ فقر و تصوف کی باتیں نکل آئیں۔ درویش مذکور نے فرمایا کہ میں دور دراز سے سفر کر کے آرہا ہوں اور مختلف جگہوں پر قیام کیا۔ بہتیرے لوگوں سے ملے مگر کہیں کوئی فقیر کامل نہ ملا۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے فقر کا کچھ کمال دکھلایا۔ حضرت شاہ حبیب اللہ رح نے بھی اس کی کاٹ کی، غرض یہ سلسلہ دیر تک رہا آخر وہ درویش بھی آپ کی کرامات کے قائل ہوئے۔ کشف و کرامات لازمۂ فقر نہیں ہیں مگر موقع پڑ جانے پر اگر اس کا اظہار ضروری ہو جائے تو چارہ بھی نہیں۔ یہ واقعہ خاندان کے اکثر بزرگوں

کی زبانی سنا گیا اور خاندانی روایت کی بھی ایک اہمیت ہوتی ہے۔

حضرت موصوف کے دو صاحب زادے تھے۔ بڑے سید شاہ کلیم اللہ عرف شاہ دھومن رح اور چھوٹے سید شاہ اہل اللہ عرف شاہ کالن رح۔ چار صاحب زادیاں بھی تھیں۔

پہلی صاحب زادی بی بی ناصرہ تھیں۔ ان کی شادی حضرت سید محمد شاہ کاکوی سے ہوئی جن کے وارثان حکیم علی اکبر، شاہ زکریا اور شاہ غزالی مرحومین وغیرہ ہوئے۔ خدا کے فضل سے نسل اب تک جاری ہے۔

دوسری صاحب زادی کی شادی اسلام پور ضلع پٹنہ میں ہوئی تھی مگر وہ اس دنیا سے لاولد چلی گئیں۔ تیسری لڑکی کی شادی محلہ نون گولہ من محلات شہر پٹنہ میں ہوئی تھی جن کے بیٹے سید شاہ محمد قاسم اور سید شاہ محمد داؤد تھے۔ شاہ قاسم لاولد مر گئے مگر شاہ داؤد کی نسل اب تک جاری ہے۔ چوتھی صاحب زادی کی شادی موضع بدل پورہ میں ہوئی تھی۔ صاحب اولاد تھیں مگر اب غالباً کوئی اولاد زندہ نہیں۔

جب حضور کا آخری وقت آیا تو بار بار زبان مبارک سے فرماتے کہ افسوس دکان اٹھتی جاتی ہے مگر کوئی خریدار نہیں۔ آپ کے داماد حضرت سید شاہ محمد شاہ جو آپ کے مسترشد بھی تھے آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے جب یہ فقرہ سنا تو انھوں نے اس میں یہ اشارہ سمجھا کہ اپنے صاحب زادوں کی بیعت کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے فوراً حضور کے دونوں صاحب زادوں کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا اور کہا کہ خریدار حاضر ہیں۔ حضرت نے دونوں کی بیعت لے لی اور فرمایا کہ

اب یہ میرا آخری وقت ہے۔ میں تو دنیا سے چلا تم دونوں میرے مزار پر روزانہ آنا۔ وہیں تعلیم باطنی ہوگی۔ حضرت کے انتقال کی تاریخ معلوم نہیں۔ آپ کا مزار پُرانوار خاندانی قبرستان "ڈیبی باغ" کے صحن مرتفع پر صف اول کے مزاروں کے وسط میں ہے۔ قطار اول میں نو مزارات ہیں۔ پانچواں مزار آپ کا ہے۔ بہت ہی پرکیف اور بارونق۔ اس حلقے میں جتنے مزارات ہیں سب خام ہیں۔ پختہ مزار بنوانے کی ممانعت ہے حضرت کے حسب الارشاد آپ کے دونوں صاحب زادگان مزار مبارک پر حاضر ہوتے اور تعلیم باطنی پاتے۔ بستی اور ڈیبی باغ کے درمیان پانی کا خزانہ ہے۔ جسے "پانی ہانس" کہا جاتا ہے اس کو تالاب یا جھیل سمجھیے۔ برسات میں یہ پایاب نہیں رہتا۔ اس لئے روایت یہ ہے کہ اس موسم میں دونوں فرزندوں کو عالم رویا میں ہدایت کی گئی کہ بستی کی مسجد جو ڈیبی باغ کے سامنے واقع ہے اس کے چبوترے پر مراقبہ ہو کر بیٹھیں اور وہیں سے تعلیم ہوگی۔ خدا کی قدرت کاملہ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کے برگزیدہ بندوں کی بھی صلاحیتوں اور باطنی فیضان کا ادراک نہیں ہو سکتا ہے۔

خاصانِ خدا خدا نباشند ۔ لیکن ز خدا جدا نباشند

حضرت کے علوئے مرتبت اور روحانی عظمت کا یہ کرشمہ تھا کہ دربار رسالت سے بہ عالم رویا گیارہ خطابات عنایت ہوئے جو درج ذیل ہیں۔

"یازدہ خطاب از حضور پرنور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ بہ سید شاہ حبیب اللہ حاصل شد"

فقیر حبیب اللہ	محرم حبیب اللہ	مخدوم حبیب اللہ	شاہد حبیب اللہ
ہادی حبیب اللہ	حبیب حبیب اللہ	شاہ حبیب اللہ	رحیم حبیب اللہ
	کریم حبیب اللہ	قطب حبیب اللہ	
	ولی حبیب اللہ		

ان خطابات اور دیگر حالات کی تفصیل راقم الحروف کو حضرت جدی سید شاہ تبارک حسین رحمۃ (متوفی ۱۲۹۶ھ) کے قدیم سفینے سے حاصل ہوئی۔ شاہ صاحب موصوف حضرت کے حقیقی پرپوتے تھے۔ ان کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

الغرض حضرت کے دونوں صاحب زادوں نے جب باطنی تعلیم حاصل کرلی تو ہدایت ہوئی کہ مزید تعلیم کے لئے راجگیر جاؤ جہاں حضرت مخدوم جہاں شاہ شرف الدین یحییٰ منیری باطناً قیام پذیر تھے اور بہ ظاہر انکا مزار اقدس بہار شریف میں ہے۔ دونوں صاحب زادے وہاں گئے اور ایک عرصے تک قیام پذیر رہے اور بواسطہ حضرت مخدوم مظفر بلخی (جن کا حجرہ بھی وہیں مخدوم کنڈ پر واقع ہے) روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہوکر گھر لوٹے۔

حضرت سید شاہ کلیم اللہ عرف شاہ ڈھومن رح

آپ حضرت سید شاہ حبیب اللہ کے فرزند نخستیں تھے اور آپ کے جانشیں بھی ہوئے۔ تعلیم روحانی و باطنی تو اپنے والد ماجد ہی سے ہوئی اور بیعت بھی طریقہ عالیہ قادریہ و فردوسیہ میں ہو چکی تھی اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ راجگیر میں ایک عرصہ تک رہ کر حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری اور مخدوم مولانا مظفر بلخی کے ارواح پاک سے فیضان حاصل کیا۔ وہیں سے ہدایت کی بموجب آپ کا قیام شہر عظیم آباد میں محلہ مہراج گھاٹ بیگماں کی حویلی میں رہا۔ اسی محلے میں راجہ شتاب رائے بھی رہتے تھے۔ اتفاقاً اس کی بیٹی کسی مرض میں مبتلا ہوئی، علاج ہوتا رہا شفا نہ ہوئی تب حضرت سے اس کی صحت کی دعا کی درخواست کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اندیشہ کی کوئی بات نہیں خدا نے چاہا تو شفا ہو جائے گی، پھر اپنے طور

پر دعا، تعویذ کا سلسلہ رہا۔ آخر اس کو خدا نے شفا دی۔ والدین کی خوشی کا کیا پوچھنا تھا۔ راجہ نے کثیر رقم بطور نذرانہ پیش کی آپ نے لینے سے انکار کیا، پھر بہت اصرار کے بعد ایک قطعہ مکان لینا قبول کیا۔ آپ اسی میں تا عمر قیام پذیر رہے۔ آپ کی شہرت بہ حیثیت درویش اور عارف باللہ دور دور تک پھیلی۔ دعا تعویذ کی بدولت گھر مرجع عوام تھا۔ لنگر خانہ جاری تھا اور فتوحات کی کمی نہ تھی۔

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اپنے برادر زادہ شاہ تیغ اللہ (فرزند سید شاہ اہل اللہ عرف کالن) کو اپنا فرزند معنوی اور جانشین بنایا۔ آپ کا انتقال ۱۵ ذیقعدہ ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۵ ماہ اگہن ۱۲۱۵ فصلی روز دوشنبہ بمقام عظیم آباد محلہ مہاراج گھاٹ میں ہوا۔ نعش کاکو لائی گئی اور ڈینی باغ میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کا عرس سالانہ اور چراغاں بھی ہوتا تھا۔ ایک سال اسی موقع پر کاکو کے ایک ساکن حاجی علی بخش مرحوم تھے جو لاولد تھے۔ انہوں نے اولاد کی تمنا میں دعا مانگی اور منت مانی کہ اولاد ہونے پر فاتحہ اور چراغاں کریں گے۔ خدا کے فضل سے ان کو ایک لڑکا ہوا۔ نام عبد الباری رکھا گیا۔ یہی حاجی عبد الباری کاکو میں مشہور و معروف رہے۔ حال آنکہ انھوں نے حج نہیں کیا اور طرفہ یہ کہ ان کی اولاد در اولاد بھی حاجی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ راقم الحروف سے خود حاجی عبد الباری مرحوم نے بیان کیا تھا۔

حضرت کے نانا جناب دیوان شاہ رفیع الدین بلخی قدس سرہ تھے

اسی لئے حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا واسطہ مادری مل جاتا ہے۔ مہاراج گھاٹ کی حویلی جو آپ کی قیام گاہ تھی۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کی اہلیہ کے قبضے میں رہی۔ اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوا معلوم نہیں۔

حضرت سیّد شاہ اہل اللہ عرف کالن رح

آپ حضرت سیّد شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔ یہ کم سنی ہی میں اپنے بڑے بھائی سید شاہ کلیم اللہ کے ساتھ اپنے والد ماجد سے بیعت ہو چکے تھے اور پھر والد ماجد کی وفات کے بعد بھائی کے ساتھ راج گیر میں قیام پذیر رہے جس کا ذکر اوپر گذر چکا۔ وہاں سے پھر عظیم آباد آئے یہیں مہاراج گھاٹ میں اپنے برادر بزرگ کے ساتھ ساتھ رہے۔ درود وظائف کا مشغلہ رہا مگر دعا، تعویذ یا عملیات سے پرہیز رہا۔

آپ کی شادی موضع محسن پور ضلع پٹنہ میں حضرت میر صابر علی رح کی لڑکی سے ہوئی۔ حضرت میر مذکور حضرت مخدوم سید منہج قدس اللہ سرہ راجگیری کے فرزندوں میں سے تھے۔

آپ کے فرزند سید شاہ تمیم اللہ رح تھے جو اپنے حقیقی چچا سید شاہ کلیم اللہ رح کے فرزند معنوی اور جانشین ہوئے۔

حضرت سید شاہ تیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت سید شاہ اہل اللہ عرف کالن رح کے فرزند صوری اور حضرت سید شاہ کلیم اللہ عرف شاہ دھومن رح کے فرزند معنوی اور جانشین ہوئے۔ آپ کو بیعت و اجازت خلافت طریقہ قادریہ فردوسیہ میں اپنے عم محترم سے تھی۔

آپ کی شادی موضع لبنا ٹیکولی متصل دریائے سوہن (سون) ضلع شاہ آباد میں جناب قاضی سید شاہ غلام اولیا قدس سرہ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ آپ کے دو فرزند ہوئے اور دو صاحب زادیاں۔ راقم الحروف کے جد امجد سید شاہ امداد حسین رح فرزند اول اور حضرت سید شاہ تبارک حسین رح فرزند دوم تھے۔

آپ نے تاریخ ہفتم ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ (غالباً) بمقام کاکو انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک اپنے جد امجد حضرت مخدوم سید شاہ حبیب اللہ قدس سرہ کے پائیں میں واقع ہے۔ آپ کو فقر و درویشی کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری اور اسپ رانی سے بھی شغف تھا اور فن حساب میں کافی دخل تھا۔ بابو کنور سنگھ اور امر سنگھ ساکن جگدیشپور کے والد بابو صاحب زادہ سنگھ گھوڑا سواری کے فن میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ آپ نے تا زندگی گھوڑے کی سواری ترک نہیں کی۔

آپ فرماتے تھے کہ سوائے گھوڑے کے اور کوئی دوسری سواری مجھے مرغوب نہیں۔ کہار پر پالکی وغیرہ کی سواری سے مطلقاً پرہیز تھا اور یہی فرماتے تھے کہ زندگی میں چار کے کاندھوں پر کیا سوار ہوں۔ مرنے پر ایک ہی بار سوار ہوں گا۔ آپ کی شمشیر زنی اور سپہ گری کا کمال یہ تھا کہ آپ خصی کو کھڑا کرکے ایک ہی وار میں چورنگ کردیا کرتے تھے یعنی ایک ہی وار میں اس کے چاروں پاؤں صاف کٹ جاتے تھے۔ اسی کو چورنگ کہتے ہیں۔

آپ کے خسر جناب قاضی غلام اولیا ایک بڑے زمیندار اور صاحب اقتدار تھے۔ ایک بار حسب جناب سید شاہ تمیم اللہ اپنی سسرال تشریف لے گئے تو انہی دنوں ایک صاحب بنام خاکسار شاہ کہیں سے تشریف لائے اور کچھ دنوں قاضی صاحب کے یہاں فروکش رہے۔ مجذوب شاہ کی جب شاہ تمیم اللہ پر نظر پڑی تو قاضی صاحب سے کہا کہ حضرت آپ کا یہ داماد بڑے مسلح خانہ کا نیمچہ ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اسی روز سے قاضی صاحب کے دل میں آپ کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ قاضی صاحب آپ کو "شاہ" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔

آپ کا جس دن انتقال ہوا ہے اسی شب کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص ملک الفت حسین مرحوم ساکن کاکو حال موضع چلکی میں رہتے ہیں۔ میر چراغ علی مرحوم کے صحن مکان میں گرمیوں کے

مؤلف بھی سوئے ہوئے تھے۔ آخر شب میں ضرورت بشری کے باعث جو اٹھے تو یہ دیکھا کہ یہاں سے ڈیہی باغ تک لگاتار مشعلوں کی روشنی کے ساتھ سواریوں کی قطار ہے اور بہت سے لوگ پیدل بھی جا رہے ہیں۔ ملک جی نے اس مجمع میں جو سب سے پیچھے تھا پوچھا کہ کس کی برات جا رہی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ برات نہیں ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شاہ تیم اللہ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ قافلہ بزرگان کرام اور صوفیائے عظام کا ان کے قبر پر جا رہا ہے۔ ملک جی چپ رہے اور وہیں سے سارا تماشا دیکھتے رہے۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے یہ واقعہ لوگوں سے بیان کیا۔ ان میں سے اکثر سامعین اب تک شاہد ہیں اور خود مؤلف کو بھی یہی یاد ہے کہ ملک جی کی زبان سے اس واقعہ کو سنا تھا۔

حضرت کو اس بستی کے چند لوگوں نے بعد انتقال کے دیکھا ہے کہ آپ چہل قدمی فرما رہے ہیں۔ آپ سے بہت سی کرامتیں کاکو، سیودھا اور دولت پور وغیرہ میں ظاہر ہوئی ہیں جن میں سے اکثر اس خاکسار مؤلف کو بھی معلوم ہیں اور اب تک یاد ہیں۔ مگر ان کا یہاں تذکرہ کرنا طوالت کا باعث ہوگا اس لئے نظر انداز کیا گیا۔

آپ کا زیادہ تر قیام اپنی ننہال محسن پور میں رہا پھر اس کے بعد اپنی دادیہال موضع سیودھا میں بھی رہا اور اکثر قاضی دولت پور

بدولت کدہ جناب قاضی اسد علی صاحب بھی رہا۔ قاضی اسد علی صاحب آپ کے داماد تھے۔

آپ بڑے سیف زبان تھے۔ آپ کی وفات کے بعد خاندانی سلسلہ بیعت جاتا رہا۔ کیونکہ آپ کے بڑے فرزند یعنی سید شاہ امداد حسین آپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئے آپ کے چھوٹے فرزند سید شاہ تبارک حسین کو آپ سے بیعت ظاہرہ ہوئی۔ آپ کے جانشین تو ہوئے اور روحانی بیعت کے باعث چند لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے ورنہ عام طور پر آپ کسی کی بیعت نہیں لیتے تھے۔ یہی وجہ ہوئی کہ اس خاندان کے لوگ دیگر خانقاہوں کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف جگہوں میں بیعت کی۔

حضرت میر صابر علی شاہ ساکن موضع محسن پور ضلع پٹنہ آپ کے حقیقی نانا تھے۔ میر صاحب موصوف حضرت مخدوم سید شاہ منجھن شہید کی راج گیری کے فرزندان میں سے تھے اور وہ بھی سید رضوی تھے اس لئے آپ دادیہال اور نانیہال دونوں جانب سے رضوی سید تھے۔ آپ کا سکونتی مکان جو کاکو میں تھا وہ سراسر نذر آتش ہوگیا۔ (کاکو میں آتش زدگی کی بہتات عرصے سے چلی آرہی ہے) تو آپ کے ماموں محسن پور سے تشریف لاکر آپ کو افراد خاندان کے ساتھ اپنے یہاں لیتے گئے۔ کچھ دنوں وہاں قیام کے بعد خاندانی وطن موضع سیودھا شریف لے آئے۔ اور وہیں قیام فرمایا۔ جب آپ کے

فرزند اول یعنی راقم الحروف کے جد امجد سید شاہ امداد حسین انتقال فرما گئے تو آپ کو بڑا رنج والم ہوا۔ آپ کے داماد قاضی اسد علی صاحب اور دیگر وغیرہ نے آپ کو مجبور کیا کہ سیودھا سے کاکو مستقلاً قیام پذیر ہوں۔ اس لئے آپ ۱۲۴۹ھ فصلی میں سیودھا سے کاکو منتقل ہوئے اور مکان قدیم کو بہ انتظام سید شاہ فدا علی مرحوم از سر نو مرمت کرایا اور وہیں قیام فرما ہوئے۔ اب وہ مکان ہمارے بڑے بھائی حاجی سید شاہ لطف الرحمٰن کے قبضہ میں ہے اور کچھ حصہ راقم الحروف کے قبضہ میں۔ اسی حلقے میں جو خانقاہ کی عمارت تھی وہ جناب شاہ تبارک حسین صاحب کے قبضہ میں رہی اور اب ان کے جانشین سید شاہ مبارک حسین مبارک ساکن حال عظیم آباد کے قبضہ میں ہے۔

یوں تو آپ کے کشف و کرامات کے واقعات بہت ہیں مگر ایک واقعے کا تذکرہ نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

جس زمانے میں آپ کا قیام موضع سیودھا میں تھا تو اس دیار کے ایک نامی زمیندار و کاشتکار بابو بلون سنگھ ساکن موضع ابلھا جو سیودھا سے متصل ہے۔ اکثر آپ سے ملنے آیا کرتے تھے اور بڑے معتقد تھے۔ اولاد سے محروم تھے۔ ایک دن اپنی خواہش ظاہر کی کہ حضرت دعا فرمائیں کہ صاحب اولاد ہو جاؤں۔ وقت بات، آپ نے دعا فرمائی۔ دعا مستجاب ہوئی آپ نے دو بیڑا پان

کا حویلی سے منگوا کر بابو صاحب کو دیا کہ ایک خود کھائیں اور دوسرا اپنی گھر والی کو کھلائیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا نے دو اولادیں دیں۔ اور آج تک ان کی نسل جاری ہے۔

ان کے پرپوتے بابو ٹھینی سنگھ صاحب اولاد ہیں اور اس روایت کے وہ قائل اور معترف ہیں۔

[نوٹ :- مرتب کتاب ہذا عطاء الرحمٰن شاہد ہے کہ خود ٹھینی سنگھ کو ہم تینوں بھائیوں شاہ ولی الرحمٰن و شاہ منظور الرحمٰن و عطاء الرحمٰن نے سیودھا میں دیکھا تھا اور وہ یہ اقرار کرتے تھے کہ ہمارے بنس (یعنی خاندان) کا سلسلہ آپ ہی لوگوں کے بزرگوں کی دعا کا پھل ہے]

آپ کی بڑی لڑکی کی شادی قاضی اسد علی صاحب ساکن موضع قاضی دولت پور ضلع گیا سے ہوئی جو مؤلف تذکرہ ہذا کے حقیقی نانا تھے۔ (قاضی اسد علی کے حالات کے لئے دیکھئے تذکرہ صادقہ مؤلفہ مولوی عبد الرحیم صادق پور، پٹنہ)

آپ کی دوسری لڑکی کا نام بی بی کریمن عرف چھوپن تھا جن کی شادی جناب میر حسین بخش مرحوم ساکن موضع ابو پور بزرگ ضلع پٹنہ سے ہوئی تھی۔ اس خاندان سے پہلی قرابت بھی تھی۔ اولاد ذکور کوئی نہ ہوئی صرف ایک لڑکی ہوئی جس کا نام مسماۃ نظرن تھا جن کی شادی جناب میر ابراہیم علی مرحوم ساکن محسن پور سے ہوئی تھی۔ ایک لڑکا سید محمد اسمٰعیل ہوا جس کی شادی موضع بڈھیا میں ہوئی۔ اس شادی سے دو لڑکیاں ہوئیں جنکی شادی موضع بنجورہ ضلع گیا میں ہوئی۔ بڑی لڑکی کی شادی آل رسول سے اور چھوٹی کی سید حافظ خلیل الرحمٰن سے ہوئی۔

حضرت شاہ سیدہ امداد حسین رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت سید شاہ نعیم اللہؒ کے فرزند نختبیں ہیں۔ آپ کو بیعت اور تعلیم و اجازت و خلافت والد بزرگوار ہی سے تھی۔ اپنے والد کی کبرسنی کے باعث ان کی زندگی ہی میں جانشیں ہوئے اور مسند سجادگی پر بیٹھے۔ ان کے اکثر دیکھنے والوں نے راقم تذکرہ ہذا سے بیان کیا کہ آپ کی وجاہت صوری بڑی جاذب نظر تھی۔

آپ کی شادی موضع کھربھیا ضلع پٹنہ میں جناب سید امیر علی قدس سرہٗ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ آپ کے فرزند سید شاہ حاجی محمد مبین تھے اور ایک

لڑکی جن کی شادی بستی ہی کے جناب سید شاہ علی حسین مرحوم منصف سے ہوئی تھی جن کے ایک بیٹے شاہ جمیل الرحمٰن اور دو بیٹیاں تھیں۔ شاہ جمیل الرحمٰن کے تین بیٹے شاہ عزیز الرحمٰن حبیب الرحمٰن اور حکیم محبوب الرحمٰن۔ جو بیٹیاں تھیں ان کی شادی موضع بیان پور میں ہوئی۔ بڑی لڑکی کی شادی خواجہ صدر الدین سے اور چھوٹی کی میر مولا بخش عرف بخشی مرحوم سے ہوئی۔ دونوں صاحب اولاد ہیں۔

شاہ جمیل الرحمٰن مذکور کی شادی راقم الحروف کی منجھلی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔

حضرت شاہ امداد حسین مذکور جوانی ہی میں رحلت فرما گئے۔ کسی کی بیعت لینے کے لئے دریائے گنگ کے پار شاید دربھنگہ یا مظفر پور تشریف لے گئے تھے وہیں انتقال فرمایا۔ مریدوں اور حلقہ بگوشوں نے نعش مبارک وہاں سے موضع سیودھا لے آئے اور وہیں اپنے آبا و اجداد قدیم کے پہلو میں دردھا ندی کے کنارے ابدی آرام فرما ہوئے۔ یہیں آپ کے دادا سید شاہ عبدالرحمٰن کاکوی کے اوپر کے جد و آبا مدفون ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ مخدوم شاہ منظم، و شاہ اعظم، شاہ بدر عالم، شاہ موہن، شاہ بہلاد۔ مخدوم حاجی شاہ بزرگ، مخدوم شاہ صفی اللہ و شفیع اللہ وغیرہ۔ یہ سب مزارات خام ہیں اور دردھا ندی کے کنارے بڑی پر فضا جگہ پر واقع ہیں۔ اس اطراف کے اہل ہنود بھی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بڑے عقیدت مند ہیں۔

حضرت امداد حسین رح خود بھی رضوی سید ہیں اور آپ کی اہلیہ

بھی رضوی سیدہ ہیں اور حضرت مولانا شاہ نظام الدین رضوی مشہدی کی اولاد در اولاد سے ہیں۔ پورا نسب ریاض الانوار میں درج ہے۔

حضرت امداد حسین کے حقیقی نانا حضرت قاضی سید شاہ غلام اولیاء رح ساکن لبنا پٹکولی (شاہ آباد) کا سلسلہ نسب بواسطہ حضرت مخدوم شاہ درویش رح بیٹھوی (گیا) حضرت مخدوم سلطان الہند اشرف جہانگیر کچھوچھا شریف سے جا ملتا ہے۔ اسی لئے راقم تذکرہ ہذا کے خاندان کا بیٹھو میں کچھ جائدادی حصہ بھی ہے جس کی آمدنی وہاں کے خرچ درگاہ کے لئے وقف ہے۔

حضرت سید شاہ تبارک حسین رح

آپ حضرت شاہ تیم اللہ رح کے چھوٹے صاحب زادے۔ آپ حسن صورت وسیرت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ سخاوت اور خیرات میں مشہور اور نثر لکھنے پر بہت قدرت رکھتے تھے۔ علمی شغف تھا اور تحریر پاکیزہ اور خوش خط لکھتے۔

نوٹ: آپ کا ایک کتب خانہ بھی تھا جس کے متعلق ایک اطلاع ملی کہ دیوان حافظ کا ایک قلمی نسخہ تھا جسکی نقل خدابخش لائبریری میں موجود ہے اور جس میں یہ اطلاع ہے کہ یہ نسخہ جناب شاہ تبارک حسین صاحب کے کتب خانہ سے نقل کیا گیا۔ اب وہ کتب خانہ ہے نہ خانقاہ۔ سب

ضائع ہوگیا۔ عطا کاکوی مرتب تذکرہ]

آپ کی شادی جناب مولوی قاضی قاسم علی مرحوم وکیل سرکاری ساکن موضع شایستہ آباد (متصل کاکو)، حال مقام موضع ڈیانواں ضلع پٹنہ کی لڑکی سے سنہ ۱۲۵۲ فصلی (مطابق ۱۲۶۶ھ) میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد آپ کا قیام زیادہ تر ڈیانواں ہی میں رہتا تھا اور وہیں انتقال فرمایا۔ نعش کاکو لائی گئی اور خاندانی قبرستان ڈیہی باغ میں سپرد خاک ہوئی۔ آپ کی اہلیہ کا مزار بھی پہلو میں ہے۔

فقر و تصوف تو آپ کی خاندانی وراثت تھی۔ ثروت و دولت سسرال سے ملی۔ شاہانہ زندگی بسر کی مگر طبیعت میں از حد انکسار تھا۔ بزرگوں سے عقیدت بہ غایت تھی حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے روضہ کا بیرونی دروازہ آپ نے اپنے خرچ خاص سے شاندار بنوایا تھا جو اب تک قائم ہے۔ درگاہ کے پاس ہر سال غازی میاں یعنی مسعود سالار غازی کا بیاہ معمولی طور پر ہوتا تھا۔ آپ نے اس کو ایک میلہ کی شکل دیدی جو آج تک قائم ہے محفل میلاد شریف ڈیانواں اور کاکو میں بڑے خوبی سے کرتے تھے۔ داد و دہش بھی جاری تھی اور خاندان والوں کی بھی پرورش و پرداخت فرماتے تھے۔

آپ کے دو صاحب زادے ہوئے بڑے کا نام سید شاہ حبیب الرحمن عرف شاہ مبارک حسین مبارک (عظیم آبادی) اور چھوٹے سید شاہ نورالرحمن نور (کشمیری کوٹھی - پٹنہ) ایک لڑکی بھی تھی جنکی شادی جناب مولوی سید حسن ساکن خسروپور نو آبادہ سے ۲۱ ماہ صفر ۱۲۸۹ھ

میں ہوئی۔ آپ ہی کے صاحب زادے سید آل حسن مرحوم بیرسٹر ایٹ لا تھے جن کے بیٹے سید شاہ حسن عرف شاہ چھبو تخلص بسمل عظیم آبادی تھے

جب آپ کے والد ماجد سید شاہ تیم اللہ مذکور الصدر مرض موت میں مبتلا ہوئے تو اس وقت شاہ تبارک حسین بہار شریف کسی ضرورت سے گئے ہوئے تھے

علالت کی اطلاع پاکر وہاں سے چلے اثنا راہ میں پدر بزرگوار کی رحلت کی خبر سنی۔ تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ بیعت لینے کا بظاہر اتفاق نہیں ہوا مگر عالم رویا میں بشارت بیعت سے سرفراز ہوئے۔ اور اجازت و خلافت بھی پائی۔ جب کسی نے مجبور کیا تو بیعت لے لیتے مگر اس طرف غلو نہ تھا۔ آپ نے ایک وصیت بھی تحریر فرمائی تھی جس کی نقل مؤلف کے پاس تھی مگر امتداد زمانہ سے وہ ناپید ہو گئی۔

آپ کا انتقال ۱۷ صفر روز پنجشنبہ بوقت شب ۱۲۹۶ھ کو سسرال ڈیاواں میں ہوئی اور تجہیز و تکفین کا کو میں۔ آپ کی رحلت کا قطعہ تاریخ مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی نے لکھا جو دیوان قرطاس البلاغت میں بھی مندرج ہے ۔

چو شد شاہ و سید تبارک حسین	ز دنیا بہ گلزار جنت رواں
دل از روئے اخلاص تاریخ گفت	بہشت بریں باد او را مکاں

۱ + ۱۲۹۵ = ۱۲۹۶ھ

اور میر مہدی حسین تخلص حنا ساکن موضع کراے میر سرائے (پٹنہ) نے یہ تاریخ کہی ؎

آج دنیا سے سر الفت کو کاٹ
اٹھ گیا عاشق رسول اللہ کا

۱-۱۲۹۷ = ۱۲۹۶ھ

آپ کی پیدائش غالباً ۱۲۲۰ھ کے لگ بھگ موضع سیودھا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ خانی دولت پور اپنے نسبتی بھائی قاضی اسد علی صاحب کے پاس چلے گئے۔ آپ کی شادی بڑے کروفر سے ہوئی تھی۔ آپ ایک عرصے تک قاضی صاحب موصوف کے داماد قاضی تفضل حسین مرحوم ساکن موضع سائیں کے پاس رہے۔ (قاضی تفضل حسین کے بیٹے قاضی رضا حسین عظیم آبادی رفیق سر سید احمد خاں تھے)۔

آپ کا عرس ۲۰ صفر کو ہر سال بڑے اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا۔ مزاروں پر چادر چڑھائی جاتی۔ چراغاں ہوتا۔ کھانا اور کپڑا غربا و مساکین کو تقسیم کیا جاتا۔ یہ عرس گو اب تک جاری ہے اور راقم تذکرہ کے اہتمام سے انجام پاتا ہے مگر وہ کروفر اور وہ شان و شکوہ نہیں۔ میٹھی کھچڑی ساری بستی اور اطراف و جوانب میں تقسیم ہوتی ہے۔

[جناب شاہ تبارک حسینؒ خانقاہ حبیبیہ کے سجادہ نشین تھے۔ بڑی زمینداری بھی تھی اور قیام زیادہ تر اپنی سسرال موضع ڈیانواں میں رہتا تھا اور وہیں انتقال بھی کیا۔ تجہیز و تکفین کا کو میں ہوئی۔ آپ علم دوست تھے اور کچھ ذوق شعری بھی رکھتے تھے۔ فارسی بہت

اچھی جانتے تھے اور طرز تحریر پاکیزہ تھا۔ آپ نے ایک وصیت نامہ بھی فارسی میں لکھا تھا جس میں خاندانی حالات کے ساتھ وارثوں کو وصیتیں کی تھیں اور بستی کے بھی کچھ حالات تھے اس کے کچھ پوشیدہ اوراق مولف کتاب ہذا کو ملے تھے مگر زمانے کی دست برد سے ضائع ہو گئے۔

مرتب کتاب ہذا کو تین مخطوطات خدا بخش لائبریری میں ایسے ملے۔ جو جناب شاہ تبارک حسینؒ کے کتب خانے کی قلمی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں وہ تین کتابیں یہ ہیں۔ (۱) دیوان حافظ (۲) گلستاں (۳) بوستاں۔ یہ اس امر کی شاہد ہیں کہ شاہ صاحب موصوف کا خاندانی کتب خانہ ہوگا یا خانقاہ سے منسلک ہوگا۔ نہ جانے کیسی کیسی مخطوطات کی شکل میں ہونگی۔ اور نہ جانے کتنے تاریخی دستاویز ہونگے۔ جو خانقاہ میں آتش زدگی کے باعث ضائع ہو گئے۔

حاجی الحرمین سید شاہ محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ

آپ مولف تذکرہ ہذا کے والد ہیں۔ آپ بہت ہی کم سن تھے جب آپ کے والد ماجد سید شاہ امداد حسینؒ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش و پرداخت آپ کے جد امجد سید شاہ

تیئم اللہؒ اور آپ کے عم محترم حضرت سید شاہ تبارک حسینؒ کے آغوش شفقت میں ہوئی۔ اپنی یتیمی کے باعث آپ ترکہ پدری سے محروم ہو گئے تھے مگر آپ کے عم محترم نے آپ کو حاجب قرار دے کر محروم نہ رکھا۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو عم محترم نے ۱۲۵۹ فصلی (۱۲۶۹ھ) میں آپ کی شادی اپنی ہمشیر زادی یعنی قاضی اسد علی مرحوم ساکن موضع دولت پور کی صاحب زادی سے کر دی۔ دسترخوان بہت وسیع تھا۔

آپ بڑے سخی جواد تھے۔ داد و دہش کے باعث غریب اور نادار لوگوں کا آپ کے پاس ہجوم رہتا تھا اور ہر کس و ناکس کے ساتھ آپ کا سلوک یکساں تھا۔ کسی کو محروم نہیں رکھتے تھے۔ طبیعتاً نیک مزاج، کم سخن، اور سیر چشم تھے۔ اپنے خاندان میں سات پشتوں کے بعد آپ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ زیارت کعبہ و روضۂ نبوی کی سعادت حاصل کی۔ اوپر کے بزرگ حضرت سید شاہ عبدالرحمٰن (جن کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے) پہلے بزرگ تھے۔ جنہوں نے فریضۂ حج ادا کیا۔ ان کے بعد آپ ہی ۱۵ رجب ۱۲۸۱ھ میں حج کے لئے روانہ ہوئے اور ۵ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ میں زیارت حرمین سے فیض یاب ہو کر کاکو واپس آئے۔

آپ کی بیعت حضرت مولانا علی محمد غزنوی قدس سرہٗ مرید و تلامذہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دست مبارک پر ہوئی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ چونکہ آپ نے

اپنے والد ماجد اور جد امجد کا پورا زمانہ نہیں پایا اس لئے خاندانی سلسلہ میں بیعت نہ ہو سکی۔

آپ عظیم آباد (پٹنہ) اپنے ہم زلف حاجی شیخ احمد اللہ مرحوم رئیس لودی کٹرہ گئے ہوئے تھے وہیں بیمار پڑے اور ۵ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۵ ماہ اگہن ۱۲۸۴ فصلی بعمر ۴۵ یا ۴۶ سال رحلت فرمائی۔ نعش کا گولائی گئی اور خاندانی قبرستان ڈیہی باغ اپنے جد امجد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ کی وفات کا قطعہ تاریخ تصنیف کردہ جناب مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی جو قسطاس البلاغت میں مندرج ہے۔ وہ یہ ہے ؎

رفت ازیں دار محمد معین
روزی او در راحت فردوس شد
گرد رقم سال وفاتش قلم
"مسکن وے جنت فردوس شد" ۱۲۹۳ھ

چند قطعات آپ کے حقیقی ماموں زاد بھائی جناب حاجی سید تجمل حسین مرحوم متخلص بہ نالاں ساکن موضع کھر بھیا ضلع پٹنہ نے بھی فارسی زبان میں کہے۔ گرچہ اس میں زبان و بیاں کی خامیاں ہیں پھر بھی ایک غیر شہری باشندہ کی یادگار اور درد مند دل کی آواز ہے اسلئے یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھا گیا کہ یادگار رہے۔

قطعہ تاریخ اول

اے دادریغا حسرتا چوں آں اخی عالی ما
بگذشت زیں دار فنا مولیٰ عطا سازد الم
نامش محمد با مبیں حاجی محمد سعید بالیقیں
خلق کریمش ایں چنیں نادیدہ و نشنیدہ ام
بر ہر کس و ناکس نظر اللہ ناکس و ہر کس خبر
می داشت طبع خوب تر بحر سخا جود و کرم
بُد آں اخی محترم از بطن خواہر والدم
بخشد خدائے ذو المنن با حرمت شافع امم
سالِ وفات ناگہاں گو اے دلِ نالانِ ما
اے سایۂ بالِ ہما اکنوں برفتی از سرم
۱۲۹۳ھ

قطعہ دوم

برادر داشتم با دانش و رائے | بعزد کسں بریں شد راہ پیمائے
بجملِ گفت سالِ رحلت او | بجنت شد برادر بائے صد ہائے
۱۲۹۳ھ

قطعہ سوم

بیا دل گریہ کن مارا اخی آہ — زد نیا روے چوں بربست افسوس
شکستہ دل برادر سال فوتش — رقم کردہ "برادر رفت افسوس"

۱۲۹۳ = ۱۲۹۴ - ۱

[نوٹ :- جناب حاجی تجمل حسین مرحوم نالاں، کے فرزند ارجمند حافظ نذر الرحمٰن المتخلص بہ حفیظ عظیم آبادی تھے۔ حفیظ جناب مولانا محمد سعید حسرت صاحب قسطاس البلاغۃ کے بھائی سید محمد کے نواسے تھے اور صاحب دیوان تھے۔ دیوان کا نام نظم دل فریب ہے۔ انہوں نے ایک ادبی رسالہ بنام "بہار" بھی پٹنہ سے جاری کیا تھا۔ ان پر کسی نے ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پٹنہ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند بھی حاصل کی ہے ۔ مرتب ۔]

سید شاہ حبیب الرحمٰن عرف شاہ مبارک حسین مرحوم و مغفور

آپ جناب حضرت سید شاہ محمد تبارک حسینؒ کے پوتہ نخستین اور جانشین اور راقم الحروف کے والد ماجد شاہ مبینؒ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور والدہ ماجدہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ اپنی سخاوت بیہوشی، مروت اور راست گفتاری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ رئیسانہ زندگی بسر کی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور داد و دہش میں بے دریغ دولت صرف کی۔ رؤسائے عظیم آباد میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے سخی اور جواد ہونے کا اپنے ہی ایک شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

گھر بھی لٹ جائے تو نہیں پروا
کچھ عجب حال ہے سخی کا حال

آپ کو شاعری سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ طبیعت رسا پائی تھی، جناب وحید الدین وحید ساکن کڑا مانک پور (الٰہ آباد) سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ کلام بہت پاکیزہ اور دلکش ہوتا تھا۔ فارسی تحریر بھی بامحاورہ اور دلچسپ ہوتی تھی۔

رئیسانہ شان و شکوہ کے ساتھ حد درجہ منکسر المزاج اور نیک طبع تھے۔ آپ کی ولادت بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۲۶۹ھ روز چہار شنبہ بمقام شائستہ آباد پرگنہ اوکری ضلع گیا (متصل کاکو) اپنے جد بادری کی جائے سکونت میں ہوئی۔ تاریخی نام "خیرات محبوب" ہے۔ آپ کی

شادی جناب مولوی محمد احسن مرحوم رئیس ڈیانواں کی لڑکی بی بی کبری (نواسی جناب حاجی شیخ احمد اللہ رئیس لودی کٹرہ پٹنہ) سے ۲۵ر صفر المظفر ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ برات بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ڈیانواں سے پٹنہ آئی۔ راقم الحروف اپنی کم سنی میں برات میں شریک تھا۔

نہایت حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ آپ کی اہلیہ نے شادی کے چند سال بعد ہی ۱۳ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ بمقام ڈیانواں انتقال کیا۔ اور موضع کرتھا (متصل ڈیانواں) اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئیں جس وقت جنازہ زنانہ مکان سے باہر آیا تو ایک کہرام برپا تھا اسی ماتمی ہنگامے میں جناب میر مہدی حسین مرحوم تخلص حنا ساکن موضع کراے میر سرائے نے برجستہ یہ مصرع موزوں کیا "شدہ برپا قیامت کبری"۔ اس مصرع سے ایک عدد کی زیادتی کے ساتھ تاریخ وفات ظاہر ہوتی ہے۔

اہلیہ کی وفات کے بعد آپ نے پھر رشتہ ازدواج سے اپنے کو وابستہ نہیں کیا۔ آپ کا زیادہ تر قیام لودی کٹرہ میں رہا۔ ڈیانواں اور کاکو میں۔ اپنے وطن اصلی کاکو سے ان کو بڑی الفت و محبت تھی۔ کاکو کا کوئی بھی باشندہ ملنے جاتا تو بڑے خلوص و محبت سے پیش آتے اور والہانہ طور پر اس سے سرگرم گفتگو رہتے اسی طرح اپنے قدیم آبائی وطن موضع سیوہا سے بھی بڑی الفت و محبت تھی۔

اپنے جد امجد کی طرح آپ کو بھی گھوڑے کا بہت شوق تھا۔

اسپ رانی بھی کرتے تھے اور گھوڑوں کی شناخت میں بھی بڑا درک رکھتے تھے۔

آپ کو کسی سے بیعت کا موقع نہ ملا۔ بزرگوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ایک روز آپ نے راقم الحروف اور جناب شاہ مودود صاحب ساکن خسرو پور نواده کے سامنے بڑے جوش و وجد کے عالم میں فرمایا کہ رات خواب میں حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ نے میری بیعت لے لی۔

آپ نے ۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۷۱ھ کو عظیم آباد میں بمقام لودی کٹرہ انتقال فرمایا۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ کاکو میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوتے۔ اکثر اس کا ذکر فرماتے مگر غیر جٹھلی کی تھی۔ حضرت شہاب الدین پیر جگجوت قدس اللہ سرہٗ کے مزار پر انوار کے بائیں پہلو میں بلند چبوترے پر مدفون ہوئے۔ نعش دوش بدوش لودی کٹرہ سے جٹھلی تک درگاہ جس کی مسافت چار میل سے کم نہیں لے جائی گئی جس میں شہر کے ہر طبقے کے لوگ بلا تفریق مذہب و ملت شریک تھے۔ راقم الحروف نے آپ کے انتقال کی تاریخ کا یہ مصرع موزوں کیا:

"بجنت رفت او از لطف یزداں"

۱۳۷۱ھ

نماز جنازہ بعد نماز جمعہ درگاہ کے متصل مسجد میں ادا کی گئی۔ امامت جناب شاہ مودود صاحب خسرو پوری نے کی۔

آپ کے دو فرزند تھے اور ایک دختر۔ بڑے فرزند خان بہادر محی الدین عرف سید شاہ محمد کمال اور چھوٹے معین الدین عرف سید شاہ جلال اور ایک دختر جن کی شادی آپ کے ہمشیرزادہ سید آل حسن مرحوم بیرسٹر ایٹ لا سے ہوئی جن کے فرزند دلبند سید حسن عرف شاہ جھبو تخلص بسمل (شاگرد شاد عظیم آبادی) ہیں۔

آپ کے دونوں فرزندوں کا حال آگے صفحات میں ملیں گے۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا آپ کو شعر و شاعری سے بڑا شغف تھا۔ طبیعت رسا پائی تھی۔ کلام مختصر مگر بڑا بامزہ ہوتا۔ حضرت وحید کی اصلاح سے اور بھی جلا پڑ جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ کلام شایع نہ ہوسکا اور ضایع ہوگیا۔ آخر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے مگر تیز فہمی کا یہ عالم تھا کہ محض آواز بلکہ پاؤں کی چاپ سن کر لوگوں کو شناخت کر لیتے تھے۔

ایک بار راقم الحروف ملنے گیا۔ جب رخصت ہونے لگا تو آپ نے برجستہ یہ شعر موزوں کرکے فرمایا ؎

آج تو ہم کے بہر حال چلے جاتے ہیں
یہ تو فرمائیے پھر کب یہ زیارت ہوگی۔

راقم الحروف نے بھی فی البدیہہ جواب دیا ؎

زندگی ہے تو پھر آجائیں گے انشاء اللہ
آپ کے روئے مبارک کی زیارت ہوگی

[اضافہ از مرتب :- جناب مبارک عظیم آبادی کم کہتے تھے مگر کلام دل پذیر ہوتا تھا۔ گلدستوں میں اور لوگوں کی زبان سے جو اشعار

دستیاب ہو سکے ان میں چند یہاں بطور یادگار نقل کر دیے جاتے ہیں تاکہ یادگار رہے ۔ ع۔ک]

کلام مبارک

وہ جو اس جشن خسروی میں نہیں　　لاکھ ساماں ہیں دلکشی میں نہیں
ہنس کے بھی دیکھا رو کے بھی دیکھا　　جو مزہ غم میں ہے خوشی میں نہیں

وہ جو نادر تھے زمانے میں کہیں ذکر بس افسانے میں
مجھے دیر ہو گی بتانے میں، یہی نام ہے کہ نشاں نہیں

قدم تو دیر میں شان حرم نگاہ میں ہے
میں اور راہ میں ہوں فکر اور راہ میں ہے

نظر جب دیکھ کر تجھکو تری محفل سے آتی ہے
تو کیا آنکھوں میں پا پوشی کی حسرت دل کے آتی ہے

اسکی خوشبو کے جو خواہاں تھے صبا کیوں نہ ہوئے
طالب بوسۂ رخ زلف دوتا کیوں نہ ہوئے

نہ وہ جلسہ نہ وہ صحبت نہ وہ یاروں کی محفل ہے
مرا عیش گذشتہ آج افسانے میں شامل ہے

حاجی سید شاہ نور الرحمٰن عرف شاہ لعل مرحوم

آپ جناب سید شاہ تبارک حسین ؒ کے چھوٹے فرزند تھے۔ اور راقم الحروف کے والدہ ماجدہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ آپ کی پیدائش موضع ڈیانواں میں سنہ ۱۲۷۲ھ کو ہوئی اور وہیں نشو ونما بھی۔ آپ صغر سنی ہی سے صوم و صلوٰۃ کے پابند رہے اور اسی زمانے میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ فریضہ حج میں شریک تھے۔ آپ بہت نیک مزاج، نرم دل، کم سخن تھے۔ آپ کو شاعری اور مصوری سے بھی بڑا ذوق تھا۔ شاعری میں جناب وحید الہ آبادی سے تلمذ تھا۔ کلام بہت مختصر تھا وہ بھی ضائع ہوگیا۔ آپ کی شادی بتاریخ ۵ رجب سنہ ۱۳۰۲ھ مولوی سید آل احمد مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ بعدہ ڈیانواں سے پٹنہ محلہ شاہ کی املی میں آئے جہاں سید آل احمد مرحوم ساکن موضع رہائی ضلع گیا مقیم تھے۔

آپ کا قیام مستقلاً کشمیری کوٹھی پٹنہ میں رہا۔ کبھی کبھی ڈیانواں میں بھی مقیم رہتے۔ آپ کو اپنے آبائی وطن کاکو سے بڑی الفت تھی۔ اپنے والد ماجد کے عرس میں اکثر تشریف لاتے۔ حضرت بی بی کمال قدس سرہا کی درگاہ کی مرمت اور تعمیر میں نقد امداد بھی دی ہے۔ گرچہ کہیں بیعت نہیں کی مگر طبیعت فقر کی طرف مائل تھی۔ لوگوں کے اصرار سے آپ نے آنریری مجسٹریٹ کا عہدہ قبول کیا اور محلہ صادق پور کے بنچ عدالت میں

اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

افسوس ہے کہ آپ نے ۱۳۳۵ھ مطابق ۴ر اپریل ۱۹۱۷ء کو بمقام کشمیری کوٹھی اپنے سکونتی مکان میں انتقال کیا۔ اور جیٹھلی بیگا درگاہ حضرت شہاب الدین پیر جگجوت کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔ مادہ ہائے تاریخ وفات یہ ہیں:۔

"مقیم جنت الفردوس او شد" - دوسری تاریخ "حشر او با دا بخیر"

۱۳۳۵ھ ۱۳۳۵ھ

آپ کی یادگار چار صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں ہیں:۔ سب سے بڑے شاہ عبدالرحمن جن کی شادی خان بہادر شاہ کمال کی لڑکی سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں ان کے بعد شاہ فضل الرحمن ان کی شادی کڑا ہوا ہوئی تھی لاولد انتقال کر گئے۔ تیسرے لڑکے شاہ حافظ عبدالمنان۔ صاحب اولاد ہیں۔ چوتھے لڑکے شاہ خلیل الرحمن دفاؔ (شاگرد شاد عظیم آبادی) صاحب اولاد ہیں۔

تین لڑکیوں میں بڑی کی شادی کڑا ہوا ضلع گیا سید عبدالرشید صاحب سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں۔ دوسری اور تیسری لڑکی کی شادی یکے بعد دیگرے عزیزی حاجی صدیق عالم صاحب رئیس۔ منجورہ ضلع گیا سے ہوئی گئی۔ صاحب اولاد ہیں۔

سید شاہ حاجی محمد لطف الرحمٰن صاحب

آپ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی بڑے بھائی ہیں۔ آپ ۱۲۶۴ فصلی (۱۲۷۴ھ) میں بہ مقام قاضی ولدن پور اپنی ننہیال میں پیدا ہوئے۔ وہ غدر کا زمانہ تھا۔ بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔ چھوٹے دیہات میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے وہاں سے لوگ آپ کو کاکو لے آئے گویا وہاں سے بھاگ کر آئے اس سے لڑکپن ہی سے آپ کا عرف نام شاہ بھگو ہو گیا۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو بستی ہی میں ایک معلم تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام منشی محمد ہاشم علی تھا۔ انہی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور چند فارسی کتابیں پڑھیں۔ پھر تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ خانہ داری اور زمینداری کے انتظام میں لگ گئے۔

آپ کی شادی بتاریخ ۲۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۹۳ ہجری میں موضع مونگراٹن متصل شیر گھاٹی ضلع گیا میں جناب میر فضل حسین مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ اولاد میں دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑا لڑکا حبیب الرحمٰن سولہ سال کی عمر میں بہ عارضہ پلیگ بیمار پڑا۔ خاندان کے لوگ بستی چھوڑ کر پٹنہ جا رہے تھے۔ یہ لڑکا بھی ساتھ گیا اور وہیں پٹنہ میں اپنے نسبتی بھائی قاضی عبد الوحید لودی کٹرہ کے مکان میں قضا کر گیا یہ حادثہ جانکاہ ۲۰ محرم الحرام سنہ ۱۳۲۳ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ تجہیز و تکفین درگاہ حضرت منعم پاک قدس سرہ محلہ میتن گھاٹ میں اپنی والدہ صاحبہ کے

پہلو میں ہوئی ۔ آپ کے دوسرے لڑکے کا نام سید شاہ حفیظ الرحمن تھا.
خدا کے فضل سے حافظ قرآن ہوئے ان کی شادی عزیزی فضل امام سلمہ
کی بڑی لڑکی سے ہوئی. صاحب اولاد ہو کر جوانی ہی کے عالم میں قضا
کر گئے ۔ انتقال اپنی سسرال کاشانہ میں ہوئی ۔ محلہ مغل پورہ جناب
مولانا سعید حضرت رح کے خانقاہ کے احاطہ میں مدفون ہوئے ۔ ان دو بیٹوں
کے علاوہ تین بیٹیاں تھیں ۔ بڑی بیٹی کی شادی قاضی عبد الوحید
محلہ لودی کٹرہ سے ہوئی جن سے تین بیٹے اور ایک بیٹی ۔ بیٹوں کے
نام قاضی عبد الودود، قاضی محمد سعید اور قاضی محمد فرید ۔ لڑکی کا نام عائشہ
جس کی شادی خان بہادر محبوب عالم رئیس پنجورہ (گیا سے ہوئی).

آپ کی دوسری بیٹی کی شادی خواجہ نظیر حسن محلہ شاہ کی املی
پٹنہ سے ہوئی جس سے ایک لڑکا خواجہ اختر حسن ہوا ۔ تیسری بیٹی کی
شادی عزیزی سید شاہ حبیب الرحمن سے ہوئی ۔ یہ ریلوے میں ملازم
تھے کہ یکایک غیر معمولی طور پر مفقود الخبر ہو گئے کوئی پتا نہیں ۔ چار
بیٹیاں یادگار ہیں ۔

آپ کو بیعت حضرت مولانا فضل رحمن رح گنج مرادآباد سے تھی
آپ نے پہلے تنہا دو بار حج کعبۃ اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے سعادت
حاصل کی ۔ پھر تیسری بار اپنی خالہ بی بی زہرن مرحومہ (زوجہ شیخ احمد اللہ
مرحوم رئیس لودی کٹرہ پٹنہ) کے ہمراہ فریضہ حج ادا کرنے گئے تو اپنے
دونوں لڑکوں کو بھی ساتھ لیتے گئے تھے حج سے فراغت کے بعد
چونکہ بی بی زہرن مرحومہ وہیں انتقال کر گئیں اس لئے آپ مدینہ منورہ

کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے اور واپس آ گئے۔ آپ نے تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں بہ مقام پٹنہ اپنے داماد قاضی عبدالوحید کے مکان پر انتقال کیا۔ تجہیز و تکفین روضۂ حضرت منعم پاک قدس سرہٗ کے احاطہ میں ہوئی۔

شاہ عبدالرحمٰن آبد مرحوم

یہ مؤلف کتاب ہٰذا کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ماہ ربیع الثانی ۱۲۸۹ھ میں کاکو میں پیدا ہوئے۔ معمولی ابتدائی تعلیم اردو اور فارسی کی ہوئی۔ بہت کم سخن، نیک مزاج اور خوش رو جوان تھے۔ ۱۵؍رجب ۱۳۰۶ھ میں آپ کی شادی بمقام ڈمری ضلع پٹنہ مولوی میر قطب الدین مرحوم کی چھوٹی بیٹی سے ہوئی۔ اُن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی نام صالحہ خاتون جس کی شادی مولوی سید عثمان وکیل سے ہوئی۔ صاحب اولاد ہیں۔

آبد مرحوم کو شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا۔ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ حافظ سید نذرالرحمٰن تخلص حفیظ عظیم آبادی سے تلمذ تھا۔ کلام ایک آدھ گلدستہ میں ملتا ہے اور کلام ضائع ہو گیا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

غیر کے ساتھ تو وہ رات بسر کرتے ہیں
ہم تڑپ کر شب فرقت میں سحر کرتے ہیں
مجھکو روتے ہوئے دیکھا تو کہا ہائے آبد
کیا اسی طرح شب و روز بسر کرتے ہیں

آبد مرحوم جوانی ہی میں بتاریخ ۳ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ ہجری بمکان خان بہادر سید شاہ محمد کمال بہ عارضہ استسقا انتقال کیا۔ تجہیز و تکفین جیٹھلی درگاہ حضرت شہاب الدین پیر جگجوت میں ہوئی۔

سید شاہ محی الدین احمد عرف شاہ کمال خان بہادر

آپ جناب عمومی سید شاہ حبیب الرحمٰن عرف شاہ مبارک حسین مبارک کے بڑے فرزند ہیں۔ ولادت ۵ رجمادی الاول سنہ ۱۲۹۰ھ بمقام عظیم آباد پٹنہ محلہ دیوان کڑہ بمکان شیخ احمد اللہ رئیس ہوئی۔ شیخ صاحب موصوف ان کی نانی کے والد تھے۔ ولادت کی تاریخ میر مہدی حسین حنا نے مصرعہ ذیل سے نکالی۔ ؎

"از گلستان مبارک گل اول شدہ ہست" ۱۲۹۰ھ

ابتدائی تعلیم بزرگانِ ہی کے زیر نگرانی ہوئی۔ آپ کی شادی بڑے تزک

واختتام سے بتاریخ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ جناب اخی حافظ سید محمد یوسف علی ساکن موضع نتول ضلع پٹنہ کی چھوٹی صاحب زادی سے ہوئی۔

دولت کی فراوانی سے بڑے عیش و عشرت سے زندگی گزاری۔ داد و دہش اور سخاوت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حکام رس اور ہر دل عزیز رہے۔ خطاب خاں بہادر سے سرفراز ہوئے اور میونسپل کمشنر بھی رہے۔ عالم شباب ہی میں جناب مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے بھی مشرف ہوئے۔

عظیم آباد میں بڑے کروفر اور نام و نمود کے ساتھ زندگی گزاری۔ آخر میں صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند ہوئے اور فریضہ حج بھی ادا کیا۔

شاعری کا بھی شوق تھا اور اپنے والد ماجد شاہ مبارک عظیم آبادی کی طرح جناب وحید الہ آبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ دیوان مرتب تھا طبع نہ ہو سکا۔ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ کلکتہ کے مشاعروں میں بھی شرکت کی تھی۔ گلدستوں میں کلام ملتا ہے۔

آپ کے نانا مولوی محمد احسن بن جناب مولوی گوہر علی رئیس ڈیانواں بڑے سخی اور جواد تھے۔ یہی سخاوت آپ نے انہی سے پائی۔ آپ کے دادا جناب سید شاہ تبارک حسین کاکوی صاحب فقر و تمکنت تھے سیرچشمی، اولوالعزمی اور خیرات کا ورثہ ان سے ملا۔ جناب شیخ سعداللہ جو آپ کی نانی کے والد تھے انہوں نے دوسری شادی جناب قاضی اسد علی ساکن دولت پور کی بیٹی سے کی تھی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں۔ انہوں نے اپنی ساری جائداد آپ ہی کے نام لکھ دی۔ الغرض دولت قدم

چومتی تھی اور آپ قدموں سے ٹھکراتے رہے۔ عیش کوشی کے ساتھ دادودہش کی بھی گرم بازاری تھی۔ فراخ دلی اور سیر چشمی طبیعت کا خاصہ تھی۔ بزرگوں کے ساتھ بڑی عقیدت تھی حضرت پیر جگجوت کے عرس کے سالانہ قل کے موقع پر آپ کی طرف سے بڑا اچھا انتظام ہوتا تھا اپنے دادا حضرت شاہ تبارک حسین کاکوی کے سالانہ عرس بتاریخ ۶ صفر کے موقع پر چراغاں ہوتا۔ طعام داری ہوتی۔ غریبوں کو کپڑے تقسیم ہوتے یہ سب اخراجات بڑے حوصلہ اور عقیدت سے کرتے۔

اپنے وطن اصلی کاکو سے بڑی الفت ومحبت تھی۔ اکثر تشریف لاتے تھے۔ درگاہ حضرت بی بی کمال بہت بے حرمت ہوگئی تھی۔ اندر کا حلقہ مزار اور دیگر عمارات مثلاً مسافر خانہ وغیرہ اپنے صرف خاص سے بنوایا۔

راقم الحروف کو ہم جد ہونے کے علاوہ آپ میرے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو میری والدہ نے اپنے آغوش میں لے کر آپ کو دودھ پلایا تھا۔ آپ میرا بہت ادب اور لحاظ کرتے تھے اور اپنے حقیقی بھائی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

آپ کا انتقال پر ملال ۱۴ ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ روز دوشنبہ اپنے سکونتی مکان واقع محلہ لودی کٹرہ میں ہوا۔ تجہیز وتکفین درگاہ حضرت پیر جگجوت موضع جیٹھلی میں جیوتہ پر اپنے والد ماجد کے مزار کے پہلو میں ہوئی۔ مادہ تاریخ وفات یہ ہے

الٰہی بخش دے اپنے کرم سے (۱۳۵۵ھ)

آپ کے دو فرزند اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ بڑے فرزند سید شاہ رفیع الدین عرف عبدالکریم اور دوسرے فرزند سید شاہ بدیع الدین عرف عبدالرحیم۔ دونوں وکیل ہوئے مگر افسوس ہے کہ چھوٹے فرزند (عبدالرحیم) صاحب اولاد ہو کر اپنے والد ماجد ہی کی زندگی میں داغ مفارقت دے گئے۔ بڑے لڑکے اپنے اصلی ہی نام سے شاہ رفیع مشہور ہیں اور خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں۔

لڑکیوں میں سب سے بڑی لڑکی کی شادی سید شاہ عبدالرحمن بن شاہ علی (کشمیری کوٹھی) (یعنی اپنے حقیقی چچازاد بھائی) سے ہوئی۔ ایک لڑکی کی شادی مولوی محمد ادریس وکیل ساکن موضع حبیب پور ڈمری سے ہوئی۔ دونوں صاحب اولاد ہیں۔

تیسری لڑکی کی شادی اپنے حقیقی بھانجے سید شاہ نبی حسن سے کی مگر افسوس کہ دونوں میاں بیوی لا اولاد قضا کر گئے۔ چوتھی لڑکی کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے سید شاہ محمد اقبال سے کی خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں پانچویں لڑکی کی شادی شاہ طٰہٰ ساکن بہار شریف سے ہوئی۔ بقیہ دو لڑکیوں کی شادی موضع ڈیانواں اور سنبھل پور میں ہوئی۔ خدا کے فضل سے سب صاحب اولاد ہیں۔

کلام کمال

حشر میں دیکھا جو آمادہ فریاد مجھے
ہنس کے بولے کہ ترے ہاتھ ہے عزت میری

آفت ہے طلب اے دلِ ناشاد کسی کی
سب کچھ کرے انساں نہ کرے یاد کسی کی

وہ زلفِ مشک بو کیا جانے کیا ہے
تری خوشبو صبا کیا جانے کیا ہے

ہم تو اے دردِ نہ منت کشِ درماں ہونگے
اور ہی ہونگے جو شرمندۂ احساں ہونگے

سر جدا ہوگا تو ہم ہونگے سبک دوش کہاں
دہن زخم سے قاتل کے ثنا خواں ہونگے

حال بیتابیِ دل آپ میں آؤں تو کہوں
تھام لوں دل کو طبیعت کو سنبھالوں تو کہوں

مجھکو اتنا نہ ستا تو بھی تو رخصت ہوگی
تجھ کو بھی اے شب فرقت کبھی فرقت ہوگی

نام میرا زمیں پہ لکھ لکھ کر
وہ مٹاتے ہیں نقش پا کی طرح

سید معین الدین عرف شاہ جلال مرحوم

آپ خان بہادر سید شاہ کمال کے چھوٹے بھائی تھے سنہ ۱۲۹۱ھ میں پٹنہ محلہ لودی کٹرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ آپ کی شادی مولوی سید علی حسین مرحوم ساکن موضع دیاد ضلع پٹنہ۔ حال مقام محلہ رانی پور کی کوٹھی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ ایک فرزند سید شاہ محمد اقبال اور ایک لڑکی یادگار چھوڑ کر ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ میں بہ عمر ۲۴ سال انتقال کیا۔ متصل درگاہ حضرت پیر جگجوت میں مدفون ہوئے۔

آپ کے انتقال کے بعد لڑکی کی شادی سید محمد کلیم ساکن محلہ چوہٹہ بانکی پور سے ہوئی۔ ایک لڑکی یادگار چھوڑ کر قضا کر گئی۔ فرزند سید شاہ اقبال کی شادی برادرم خان بہادر سید شاہ محمد کمال کی صاحب زادی سے ہوئی۔ دو لڑکے اختر اقبال اور غضنفر اور چند لڑکیاں ہوئیں خدا کے فضل سے سب صاحب اولاد ہیں۔

مولف کتاب کے خود نوشت حالات زندگی

میں بتاریخ ۵ شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۴ چیت سنہ ۱۲۶۹ فصلی موافق ۱۹ مارچ ۱۸۶۳ء روز یکشنبہ بوقت صبح صادق اپنے وطن مقام کاکو پرگنہ بھلاور ضلع گیا میں پیدا ہوا اور یہیں نشو ونما پائی ۔ جب چار سال چند ماہ کی عمر ہوئی تو میرے حقیقی ماموں جناب قاضی احمد بخش علیہ الرحمتہ نے میری بسم اللہ خوانی کرائی ۔ اور جناب استادی منشی محمد ہاشم علی صاحب سے جو میرے اخی معظم شاہ لطف الرحمن صاحب کی تعلیم کے لئے مقرر تھے میری تعلیم کی ابتدائی ہوئی اردو و بعد فارسی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد بہار دانش اور سکندر نامہ شروع ہی کیا تھا کہ دل میں حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا ۔ حضرت والد ماجد صاحب سے جب اس شوق کا اظہار کیا تو آپ نے بھی اپنی پسندیدگی ظاہر کی اور ایک حافظ کی تلاش ہوئی ۔ آخر ایک حافظ صاحب جن کا اسم گرامی خورشید علی تھا اور موضع سانڈی برنی کے قدیم باشندے تھے مگر حالیہ سکونت موضع کہرا متصل موضع بن ضلع پٹنہ میں تھی بتاریخ ماہ جیٹھ سنہ ۱۲۸۱ فصلی مقرر ہوئے اور حفظ قرآن کرنے لگا ۔ اردو فارسی کی تعلیم موقوف ہوئی ۔ جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی ذہن سے محو ہوتا جا رہا تھا ایک سال کے قریب حافظ صاحب سے حفظ قرآن کرتا رہا ۔ چند ہی پارے حفظ کئے تھے کہ کسی نامعلوم سبب کی بنا پر حافظ صاحب

موقوف کر دیئے گئے۔ ایک عرصہ تک پڑھنا لکھنا بالائے طاق رہا

اسی زمانے میں برادرم نور اللہ شاہ صاحب (جو بعد میں پلیڈر ایڈیشن ہوئے) گیا میں اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب مختار کے ساتھ رہتے تھے۔ اور اپنے چچیرے چچا حافظ ابراہیم علی صاحب سے حفظ قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ چونکہ برادر موصوف سے دلی الفت تھی اور جناب مختار صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے۔ جناب حافظ صاحب موصوف سے بھی ملاقات تھی۔ ان سب اسباب نے دل میں یہ ولولہ پیدا کیا کہ گیا ہی میں قیام کر کے حفظ قرآن کی تعلیم مکمل کی جائے۔ اس ارادہ کو جناب والد ماجد سے عرض کیا تو انہوں نے بھی اجازت دے دی، اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گیا پہنچا۔ جناب مختار صاحب قبلہ کے یہاں قیام رہا۔ کھانا پینا تو انہی کے ہاں رہا اور بڑے خرچ کے لئے جناب والد ماجد مختصر رقم بھیج دیتے تھے۔ شہر کا رہنا، ہاتھ کشادہ رقم ناکافی ہوتی تو لوگوں سے لے کر ضرورت پوری کرتا رہا۔ قرض کی یہ جاٹ جو ابتدائی عمر میں لگی تو زندگی بھر لگی رہی۔ وہاں سے جی اکتا گیا تو گھر واپس آیا۔ والد صاحب نے قرض کی رقم جو بیس پچیس روپے کے قریب تھی ادا کر دی۔ کچھ دنوں کے لئے موضع ڈیانواں میں حضرت جلدی سید شاہ تیار کرم حسین کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر آرہ پہنچا۔ یہاں قریبی رشتہ کے چچا مولوی عبدالحمید صاحب سر رشتہ دار صدر اعلیٰ تھے۔ کچھ دنوں وہاں رہا۔ الغرض ادھر ادھر گھومتا رہا۔ پڑھنا لکھنا

سب بالائے طاق۔ آخر یہ پھر پلٹ آیا۔ والد ماجد مرحوم نے سمجھ لیا کہ
میری طبیعت پڑھنے لکھنے سے اچاٹ ہو گئی ہے۔ نہ کتابیں پڑھنے کا شوق
رہا اور نہ حفظ قرآن کا۔ ان کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ میری طبیعت بڑی
فراخ واقع ہوئی ہے۔ ہاتھ میں پیسہ آیا نہیں کہ خرچ ہو گیا۔

جب سلسلہ تعلیم ختم ہو گیا تو حضرت والد ماجد نے مجھ سے وہ خطوط پڑھوانے
لگے جو ان کے نام ادھر ادھر سے آتے تھے یا وہ بھی جو وہ بعض لوگوں کو
لکھتے تھے۔ پھر ان کے مطالب ہم سے پوچھتے اور اس کی وضاحت فرماتے
اس طرح یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک رہا۔ اس
طریقہ سے میرے علم میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور باتوں کے سمجھنے اور ان پر غور
کرنے کا وسیلہ بنا۔ پھر یہ طریقہ رہا کہ اکثر اردو اور فارسی کی کتابیں مجھ سے
پڑھواتے اور ان کے مطالب پوچھتے جو سمجھ میں نہ آتا اس کو سمجھاتے اسی
طرح تعلیم کا سلسلہ عرصے تک رہا۔ خوش ہو کر انعام دیتے۔ مزید انعام
کا وعدہ کرتے اسی وجہ سے میں نے اس کام میں جی لگا کر محنت کی۔
اور ان کے فیضان صحبت سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اور میں نے جو کچھ
سیکھا انہی کی صحبت سے سیکھا مگر افسوس کہ یہ سلسلہ تا دیر قائم نہ رہا۔
اور میں سایۂ پدری سے محروم ہو گیا۔ اس وقت میری عمر ۱۴ سال
کی تھی۔ والد ماجد مرحوم کی وفات سے چھ ماہ بعد میں رشتہ ازدواج
میں منسلک کر دیا گیا۔ مولوی نور الحسن مرحوم ساکن عظیم آباد محلہ
فصاحت کی منجھلی لڑکی سے بتاریخ ۵ جمادی الاول ۱۳۲۸ھ فصلی

یہ شادی انجام پائی۔ کئی لڑکے اور لڑکیاں ہوئیں مگر سب کے سب یکے بعد دیگرے اس دنیائے آب و گل کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھارے۔

میری اہلیہ نے بتاریخ ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ بعارضہ تپ دق کاکو میں انتقال کیا۔ مزار خاندانی قبرستان ڈیہی باغ میں ہے۔ اس محل سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ دو لڑکے تو پیدا ہونے کے ایک ہفتہ کے اندر ہی فوت ہو گئے۔ تین لڑکیوں میں ایک لڑکی صغر سنی ہی میں مر گئی۔ دوسری سن بلوغ کو پہنچی تھی اور شادی کا سامان ہو رہا تھا کہ پروانۂ قضا آگیا۔ تیسری کی شادی ہوئی مگر شادی کے ایک سال کے بعد مردہ ولادت ہوئی اور خود بھی دنیا سے رخصت ہو گئی۔ الغرض یہ پانچ اولادیں جو محل اولیٰ سے ہوئیں۔ سب نے داغ مفارقت دیا۔ کوئی یادگار مرحومہ کی نہ رہی۔ ان پے در پے حادثات سے میرے قلب پر بہت برا اثر پڑا۔ اسی زمانے میں میرے چھوٹے بھائی شاہ عبدالرحمٰن ابد تخلص کا بھی انتقال ہوا۔ ان سب حادثات نے میری صحت پر برا اثر ڈالا۔ مزید برآں ایک دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ ننھا پیچ [illegible] کا مہنال جو نکیلی ہوتی ہے۔ میری آنکھ میں لگ گئی جس کے صدمہ سے آنکھ کی پتلی ہٹ گئی۔ تکلیف سخت تھی۔ ڈاکٹر اصدر علی خاں جو ان دنوں پٹنہ میں مشہور و معروف ڈاکٹر تھے۔ ان کے علاج سے پانچ مہینے میں صحت ہوئی مگر بینائی کمزور ہو گئی۔

صدمات اور اپنی بیماری کے باعث طبیعت مضمحل رہنے لگی۔ قلب بے چین اور دل و دماغ پراگندہ۔ احباب نے دوسری شادی کر لینے کی ترغیب دی اور مصر ہوئے۔ دل بجھا بجھا سا تھا۔ پہلے تو ٹالتا رہا مگر خواب میں اشارہ غیبی سے مجبور ہو کر آمادہ ہونا پڑا۔

شیخ پورہ ضلع مونگیر محلہ بگیہ میں ایک بزرگ جناب شاہ محمد صادق رحمۃ اللہ تھے جو حضرت مخدوم شاہ شعیب بن حضرت مخدوم جلال منیری بن حضرت مخدوم شاہ عبدالعزیز بن حضرت مخدوم تاج فقیہ فاتح منیر کی اولاد ذکور میں سے تھے ان ہی کی بڑی لڑکی مسمی بی بی رسولن سے بتاریخ ۱۷ ماہ شوال ۱۳۶۶ ہجری شادی انجام پائی۔ میری محل ثانی کی ننہال مقام چاند پورہ ممن محلات بہار شریف ہے اور سلسلۂ نسب حضرت مخدوم فریدالدین طویلہ بخش سے جا ملتا ہے۔

محل ثانی سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ پہلے دو لڑکیاں ہوئیں۔ ایک تو پیدائش کے چند ماہ بعد ہی فوت ہو گئی۔ دوسری چار پانچ سال کی تھی اور اس کا گوشوارہ بڑے حوصلہ اور صرف کثیر سے ہوا مگر وہ بھی زندہ نہ رہ سکی۔ اب صرف تین لڑکے ہیں۔ ولی الرحمٰن، مسعود الرحمٰن اور عطاء الرحمٰن خدا ان کی عمر میں ترقی دے، اور با اقبال بنائے۔

بیعت خود اپنے خاندان میں بیعت کا سلسلہ عرصے سے قائم تھا۔ حضرت جد امجد سید شاہ امداد حسین رحمۃ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ حضرت والد ماجد کو بیعت خاندان میں نہ ہو

سکی۔ وہ دہلی کے ایک بزرگ سے بیعت ہوئے۔ ریعان شباب
ہی سے میری طبیعت میں بزرگان دین سے عقیدت کا جذبہ کارفرما
تھا۔ حضرت شاہ سجاد رح سجادہ نشین خانقاہ داناپور اکثر گیا کو تشریف
لاتے تھے۔ لہٰذا نیاز حاصل ہو چکا تھا۔ ایک بار وہ جناب مولوی
حافظ احمد رضا صاحب (سکندر منزل پٹنہ) وکیل گیا کے نواسوں کی
تقریب بسم اللہ میں گیا تشریف لائے۔ یہ اطلاع جو ملی تو میں نے ایک
عریضہ حضرت سجاد رح کی خدمت میں ارسال کیا اور اپنے یہاں
تشریف لانے کی دعوت دی۔ آپ نے بکمال مہربانی یہ اعزاز
بخشا اور غریب خانہ پر آنے اور فروکش ہونے کی زحمت گوارا کی۔
دو روز آپ میرے غریب خانہ پر مہمان رہے، پھر کاکو کے رئیس
اعظم شیخ عبدالرحمن صاحب کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کی والدہ
حضرت سے مرید تھیں۔ ایک دن یکایک دل میں یہ جذبہ غیبی پیدا
ہوا کہ مجھے حضرت سے بیعت لینی چاہیے۔ عریضہ ارسال کیا جو شرف
قبولیت بخشا گیا۔ لہٰذا بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ ہجری بعد نماز مغرب
میرے قیام گاہ پر جو خاندانی خانقاہ تھی آپ تشریف لائے اور
طریقہ چشتیہ میں میری بیعت لے لی اور اسی وقت ازراہ نوازش اجازت
و خلافت سے بھی مشرف فرمایا۔ بستی کے معزز ارکان اس موقع
پر مدعو تھے۔ میری عمر اس وقت کل ۱۷، ۱۸ سال کی تھی۔ یہ حضرت
کا کرم تھا کہ دل کی آرزو اس شعر کے مصداق پوری ہوئی۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

تعلیم ابتدائی تعلیم کے بارے میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ چند اردو اور فارسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد دل اچاٹ ہو گیا تو حفظ قرآن میں لگ گیا۔ وہ بھی نا تمام۔ ہاں تو حضرت والد ماجد کی خدمت میں رہ کر خطوط خوانی اور خطوط نویسی کا سلسلہ چلتا رہا اور حقیقتاً اس سے بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ اس کے بعد کتابوں کے مطالعہ کا شوق بڑھا اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اپنی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ حاصل کیا۔ یہ بزرگوں کا روحانی فیض تھا جس کی بدولت میں اس قابل ہوا کہ کچھ لکھ پڑھ سکوں۔

شاعری میری ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا۔ مکتب خانہ ہی میں کچھ موزوں جملے زبان سے نکلنے لگے ٹوٹے پھوٹے اشعار کہنے لگا۔ ایک مختصر سا مجموعہ ہو گیا۔ جو میرے ایک ہندو ساتھی نند کشور سنگھ کے پاس تھا۔ ان سے واپس لینے کا موقع نہ ملا، اور اسی عرصہ میں وہ انتقال کر گئے۔ خیر وہ کلام ابتدائی تھا ہی کس کام کا۔ پھر بھی لڑکپن کی یادگار تھا۔ اس کے ضائع ہونے کا افسوس ضرور ہے۔ اب حافظہ میں بھی وہ اشعار محفوظ نہیں۔ صرف ایک شعر یاد آ گیا جو محض یادگار کے طور پر یہاں لکھتا ہوں کہ میری ابتدائی مشق کا ایک نمونہ محفوظ رہ جائے

ہاں تو وہ شعر یہ تھا

ہوا سے تیز ہے اشہب چلن میں
اڑے گا جا کے پہنچے گا عدن میں

گھر کا ماحول تو شاعرانہ نہ تھا۔ موزونیٔ طبع ودیعت الٰہی ہے۔ اسی موزونیٔ طبع کے باعث شعر و شاعری کی طرف رغبت بڑھی۔ شاعری لاکھ فطری سہی پھر بھی یہ ایک فن ہے اور بغیر کسی استاد کی رہنمائی کے ترقی کرنا مشکل ہے۔

جب پہلے پہل ایک غزل کہی تو فکر ہوئی کہ کسی استاد سے اس پر اصلاح لی جائے۔ نظر انتخاب جناب شاہ محمد اکبر ابوالعلائی دانا پوری پر پڑی۔ آپ ہمارے حضرت پیر و مرشد کے فرزند تھے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان سے ایک قلبی تعلق بھی تھا۔ الغرض اپنی غزل بذریعہ ڈاک دانا پور روانہ کردی۔ اب یہ بھی یاد نہیں کہ کوئی تخلص بھی اپنا رکھا تھا یا نہیں۔ حضرت استادی نے میرا تخلص "عمد" تجویز کیا۔ غزل پر اصلاح فرما دی۔

حضرت استادی چوں کہ اکثر مختلف مقامات مثلاً الہ آباد، آگرہ، گوالیار، اجمیر شریف وغیرہ پر اقامت پذیر رہتے تھے۔ اصلاح کا سلسلہ برابر ڈاک ہی کے ذریعہ سے ہوتا رہا۔ اور اسی طرح کل دس بارہ غزلیں حضرت کی اصلاح سے مزین ہوئیں۔ اس کے بعد پھر اس

موقع نہ ملا۔ جو کچھ کہا، اچھا یا برا اپنی ہی طبیعت سے کہا۔ رفتہ رفتہ اردو کے دو دواوین مرتب ہو گئے۔ فارسی کا کلام اس کے علاوہ مثنویات، قطعات، اور دیگر منظومات کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہو گیا جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ صرف ایک مسدس بنام "[illegible]" طبع ہو چکا ہے۔

تاریخ گوئی قدما کے دواوین میں اکثر قطعے دیکھیں جن سے حال کا تعین ہوتا ہے۔ طبیعت تاریخ گوئی کی طرف مائل ہوئی۔ اور شغف اتنا بڑھا کہ ان گنت تاریخی قطعات کا ایک بڑا مجموعہ تیار ہو گیا۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے۔ اور اس میں مختلف قسم کی موشگافی کی گئی ہے۔ جناب مولانا سعید حسرت عظیم آبادی کی کتابیں قسطاس البلاغت اور مصدر البلاغت [illegible] سپہر نسیم اور پھر جناب احمد حسین صاحب کی تاریخ گوئی سے جو دو جلدوں میں ہے بہت کچھ فیض اٹھایا۔ اسی طرح شاعری میں بھی حضرت استاد کے دواوین تجلیات عشق بعد جذبات اکبر کے مطالعہ سے بھی استفادہ کیا۔ دیگر اساتذہ کے دواوین بھی مطالعہ میں رہے۔

تاریخ گوئی سے کچھ ایسی طبعی مناسبت ہو گئی کہ مادہ تاریخ اکثر و بیشتر بے ساختہ زبان پر آجاتے۔ بعض تاریخیں تو بات کی بات میں نکل آتیں۔ یہ سب خدا کا فضل ہے۔ ا[illegible]

کا فیض ہے کہ مجھ ناچیز سے نظم و نثر کا رطب و یابس ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

تصانیف مجھ جیسے ناچیز بے علم و فن سے باوجود افسردہ دلی اور امراض دائمی تصنیف و تالیف کا مشغلہ تاعمر قائم رہا اور اس وقت تک میرے قلم سے نظم و نثر کے جو رطب و یابس مجموعے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) غزلیات کے دو مدون دواوین جن کو بعد میں یکجا کر لیا ہے

(۲) قطعات تاریخ کا ایک مجموعہ جس میں لوگوں کے سانحہ ارتحال سال ولادت اور دیگر امور پر بکثرت تاریخیں ہیں۔

(۳) مثنوی مناجات۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں تمام سلاسل صوفیہ کے وسیلہ سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار ہے اور اس کا نام "وسیلۂ بخشائش" رکھا گیا ہے۔

(۴) یاد وطن۔ کاکوری کے مختصر حالات سانحات میں اور یہاں کے ان باشندوں کے ضمنی حالات اور وفات کا ذکر ہے جو پہلے گزر گئے اور پھر ایک دوسرے قطعہ میں ان لوگوں کی وفات کا ذکر ہے۔ جو میری زندگی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

دعا ہائے تامہ۔ مسدس کی شکل میں چاشت اور اس کے سلسلے لوازمات کا دلکش مرقع ہے

(۶) منظومات دیگر۔ مثلاً سہرے، رقعات شادی یا دیگر حالات حاضرہ پر تاثرات مثلاً جنگ بلقان و مسئلہ خلافت و دیگر احوال

(۷) آثار کاکو۔ نثر میں کاکو کی تاریخ اور حضرت بی بی کمال قدس سرہا اور دیگر بزرگان و باشندگان کاکو کے احوال۔

(۸) فارسی کلام کا ایک مجموعہ الگ ہے۔

دیگر احوال زندگی اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ اپنی اور متعلقین کی علالت اور خدمت میں گزرا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی بھر مریض بنا رہا۔ ضعف قلب رہی بواسیر سے کبھی چھٹکارا نہ ہوا۔ ہاتھ کشادہ تھا۔ تنگ دستی کے باعث ہمیشہ مقروض رہا۔ مگر خدا کے فضل سے کبھی ہاتھ خالی نہ رہا۔ جائداد بھی آہستہ آہستہ تلف ہوتی رہی۔ اسوقت بھی جبکہ عمر پچھتر سال کی ہو رہی ہے۔ فراغ خاطری کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ اخراجات میں کسی قسم کی کمی نہیں بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے۔

پہلے میرا قیام اپنے خاندانی مکان میں سب لوگوں کے ساتھ رہا لیکن ۱۳۰۰ فصلی (مطابق ۔۱۳۱ ہجری) میں مکان کی تقسیم ہوئی اور میرے حصہ میں اس کا جنوبی حصہ ملا، وہ رہنے کیلئے کافی نہ تھا۔ اسلئے میں جناب شاہ الٰہی اللہ مرحوم کے بنگلہ میں منتقل ہو گیا۔ ان سے غیر معمولی یگانگت اور خلوص تھا۔ اور ان کے صاحبزادے نور اللہ شاہ (بار ایٹ لا) سے گہرے مراسم تھے۔ یہ بنگلہ میرے خاندانی مکان

سے متصل ہی تھا۔ دونوں باپ بیٹوں کے انتقال کے بعد ان کے ورثا جو مظفرپور میں رہتے تھے، ان سے یہ بنگلہ میں نے خرید لیا۔ اور اب یہ مستقلاً میرے مصرف میں ہے۔ اس بنگلہ سے متصل ایک افتادہ زمین تھی اس میں ایک زنانہ حویلی کی تعمیر شروع کر دی اور بحمد اللہ ۱۳۱۲ھ میں یہ حویلی تیار ہو گئی اس کی تاریخ تعمیر جناب عمومی شاہ غزالی صاحب نے "حویلی مرغوب" تجویز کیا۔ جس سے سن مذکور مستخرج ہوتا ہے۔ میرے رفیق دلی مولوی یوسف حسین صاحب نے "حویلی مرغوب" کو نہایت خوب صورت طغریٰ میں اس حویلی کے کمرے کے دروازہ پر اپنے ہاتھ سے میناکاری کے ساتھ منقش کیا۔ وہ بڑے ہرفن مولا تھے۔ خوش نویس بھی تھے۔ میرے اردو دیوان کے ابتدائی حصہ کو انہی نے لکھا ہے۔

قیام میں زیادہ تر توکاکو ہی میں رہا۔ اکثر اپنے قدیم آبائی وطن موضع سیوددھا ہی میں سکونت رہی۔ گیا میں بھی رہا اور کچھ دنوں ڈیہ نواں میں بھی۔ پٹنہ میں بھی قیام رہا۔ میری حقیقی خالہ جو جناب شیخ احمد اللہ مرحوم رئیس لودی کٹرہ کی اہلیہ تھیں مجھے بہت عزیز رکھتی تھیں۔ وہیں پٹنہ محلہ فصاحت کی میدان میں میری شادی بھی ہو گئی۔ اسلئے پٹنہ برابر آنا جانا ہوتا رہا۔

سفر بہار سے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ آغاز سفر ۹۹ھ ہجری تھا۔ پہلے الہ آباد گیا وہاں سے اکبرآباد جا کر حضرت سیدنا امیر ابوالعلا قدس سرہ کے عرس میں شریک ہوا۔ اس کے بعد اجمیر شریف

کی حاضری ہوئی۔ بیس روز تک وہاں قیام رہا۔ پھر گھر لوٹ آیا
پورب کی طرف ایک بار مقدمہ کے سلسلے میں کلکتہ جانے کا اتفاق
ہوا۔ ادھر بہار میں مظفر پور کئی بار گیا۔ دو بار دربھنگہ بھی جانا ہوا
گاؤں کے اطراف و جوانب میں بھی رشتہ داروں اور احباب سے ملنے
کے لئے آنا جانا رہا۔ مثلاً موضع قاضی سرائے۔ استھوا۔ ابدال چک
غزول، قاضی دولت پور، پچھوڑہ۔ انڈھوس، بہار شریف وغیرہ۔

انداز طبیعت حلقہ احباب و اعزہ بہت وسیع ہے۔ سب سے
ملنے جلنے کا از حد شوق تھا۔ طبیعت منکسر
واقع ہوئی ہے مگر زود رنجی بھی طبیعت کا خاصہ بن گئی ہے۔
مگر پھر یہ زود رنجی جلد دفع ہو جاتی ہے۔ حکام رسی کا مطلق شوق
نہیں اور نہ سرکار انگریزی میں کسی ملازمت کی ہوس رہی حالانکہ
اس کے مواقع بے شمار تھے، اور اکثر احباب و اعزہ نے رغبت بھی دلائی
مگر طبیعت راغب نہ ہوئی۔ بزرگان دین سے گہری عقیدت رہی
میں نے جو کچھ فیض پایا وہ اپنے مرشد کامل شاہ سجاد علیہ الرحمتہ
سے۔ اور کسی بزرگ سے نہ کچھ فیض حاصل کیا اور نہ کبھی معانقہ تک
کی نوبت آئی۔ اور نہ کسی کی طرف طبیعت کا رجحان رہا۔

همه شهر پر ز خوبان منم و خیال ماهے
چه کنم که چشم بد بیں نه کند به کس نگاهے

اب تو پیرانہ سالی ہے پیری و صد عیب؛ پچھتر برس کی عمر ہوئی

اپنی یادگار صرف اشعار کا کو ہے۔ اور کلیات۔ اشعار کی تعداد کل ملاکر پندرہ ہزار سے کم نہیں۔ اشعار کا کو کی ترتیب بڑی محنت اور کوشش سے ہوئی ہے۔ اپنے وقت میں اس کی طباعت نہ کرا سکا۔ اب اس کے متعلق میرے پسماندگان اور یاران وطن کو لازم ہے کہ جو کچھ حالات و واقعات گزشتہ و آئندہ ان کو ملیں ان کو قلمبند کر کے طبع کرا دیں۔ کیوں کہ یہ ۷۳ سال کا سرمایہ ریاض میرا ہے، اس کی قدر دانی کرنی چاہئے۔

لمولفہ سہ   سلسلہ اس کا رکھو میرے عزیز دائم

یاد رکھو یہ میرے بعد وصیت میری

دل کا تقاضہ ہے کہ اپنے حالات کے ساتھ حضرت پیر و مرشد اور ان کے فرزند (جو میرے استاد فن شاعری بھی ہیں) کا حال مختصراً عرض کروں۔

حضرت شاہ محمد سجاد رح

آپ بتاریخ ۱۱ ربیع ۱۲۳۱ھ روز دوشنبہ داناپور اپنی نانہال میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت منعم بجانب سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ حضرت تاج فقیہ فاتح منیر کی اولاد ذکور سے ہیں۔ تاج فقیہ کے ایک صاحب زادے شاہ عبدالعزیز ان کے فرزند شاہ سلیمان لنگر زمیں کاکوی ان کے فرزند شاہ عطاء اللہ (کچی تواں) اسی خاندان کے آپ چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ تراب الحق رح تھا جن کی شادی سید شاہ غلام حسین داناپوری خلیفہ حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ آپ کا آبائی وطن موڑا تالاب (بہار شریف) تھا۔ اس کے بعد

آپ اپنی ننھیال ہی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ سولہ برس کی عمر میں حضرت شاہ ابوالبرکات سے سلسلہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ میں مرید ہو گئے تھے، اور حضرت قمرالدین رح سے تعلیم طریقت حاصل کی۔ اور اپنے اخی معظم شاہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت وخلافت دیگر طریقوں کی ملی۔

آپ اپنے وقت کے صوفی باصفا، صاحب کشف وکرامات اور بے حد منکسر مزاج واقع ہوئے ہیں۔ آپ کا حلقہ مریدان بہت وسیع تھا۔ بیربھگرہ گو الیار، اجمیر شریف اور الہ آباد میں قیام رہتا تھا۔ پانچ بار فریضۂ حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ بہت خوشنویس بھی تھے اور جوانی میں فن سپہ گری بھی سیکھا تھا۔ آپ کو سلب مرض اور کشف قبور میں کمال حاصل تھا۔ آپ شاعر بھی تھے، سجادؔ تخلص تھا۔ کلام بہت مختصر تھا آپ کا وصال داناپور میں بتاریخ ۱۶ ذیقعدہ روز یکشنبہ ۱۲۹۰ھ بوقت نماز عصر ہوا۔ جنازہ کی نماز جناب مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی نے پڑھائی۔ مدفن مسجد اور خانقاہ سے متصل ہے۔ آپ کا عرس داناپور کے علاوہ الہ آباد، اکبرآباد (آگرہ) اور اجمیر شریف میں بھی ہوتا ہے۔ اجمیر شریف کے عرس کا خرچ خاص خزانہ درگاہ حضرت غریب نواز سے ہوتا ہے۔ آپ کے سال رحلت کی تاریخیں بہتوں نے لکھیں راقم الحروف نے بھی قطعۂ تاریخ کہا جس کا آخری مصرع یہ ہے ؎

زد رقم مجد در رقم تاریخ ——— پیر سجاد و شیخ کامل وائے

۱۲۹۰

حضرت شاہ محمد اکبر رح — آپ پیر مرشد حضرت سجاد رح کے فرزند تھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد آپ خانقاہ دناپور

کے سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی ولادت ۷ ہر شعبان سنہ ۱۲۵۹ھ روز چہار شنبہ کو بمقام اکبر آباد (آگرہ) ہوئی۔ آپ کے عم محترم شاہ محمد قاسم رح نے جو اکبر آباد ہی میں بہ سلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے۔ آپ کا نام "اکبر" تجویز کیا۔ اپنے عم محترم ہی سے بیعت تھے۔ آپ کی شادی سید شاہ ولایت حسین رح ساکن محلہ گور کھپور پٹنہ کی صاحب زادی سے سنہ ۱۲۸۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی اہلیہ نے سنہ ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ آپ نے پھر دوسری شادی نہیں کی۔ آپ اپنے وقت کے ایک برگزیدہ صوفی، مستند شاعر اور صاحب تصانیف کثیرہ گذرے ہیں۔ مریدوں اور عقیدتمندوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ آپ بے حد متواضع خلیق، بے نفس اور شب زندہ دار تھے۔ حج و زیارت مدینہ منورہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اکبر آباد، الہ آباد، گوالیار اور اجمیر شریف میں قیام اکثر رہا کرتا تھا۔ آپ کو تلمذ حضرت وحید الہ آبادی سے تھا جو اکبر الہ آبادی کے بھی استاد تھے۔ آپکے دو دواوین تجلیات عشق اور جذبات اکبر چھپ کر مشہور ہو چکے ہیں۔ ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ کلام میں تصوف کا عنصر غالب ہے۔ نظمیں قومی اور ملی بہت لکھیں۔ نثر میں بہتری کتابیں لکھیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ سیرۃ، تاریخ تصوف، سفر نامہ اور دیگر موضوعات پر بیسیوں کتابیں ہیں۔ آپکا وصال بتاریخ ۱۴ ر رجب سنہ ۱۳۲۷ھ بمقام دانا پور ہوا۔ وقت رحلت یہ شعر زبان پر تھا ؎

خدا کی حضوری میں دل جا رہا ہے ۔۔۔ یہ مرنا ہے اس کا مزا آ رہا ہے

مزار اپنے والد ماجد کے پہلو میں ہے۔ مسند سجادگی پر آپکے صاحبزادے جناب شاہ محمد محسن صاحب سرفراز ہوئے۔ حضرت اکبر رح کی رحلت سے متعلق راقم الحروف کا کہا ہوا تاریخ

یہ ہاتف ہے ہمہ دل خستہ سال ترحیلش ۔۔۔ ہائے فخر بہار اکبر گفت

۱۳۲۷ھ

دیگر ۱۱) حیف مخدومی شاہ اکبر (۱۳۲۷)

ننھیالی خاندان | راقم الحروف کے حقیقی نانا قاضی اسد علی مرحوم مغفور تھے
آپ کا مسکن قاضی دولت پور تھا جو کاکو سے دو کوس دکھن واقع ہے آپ بہت
وضعدار اور رئیس اولوالعزم اور خیر تھے چند پشتوں سے منصب قضا پر فائز
تھے۔ سلسلہ نسب یہاں سے قاضی غیاث الدین عرف قاضی سلام اللہ عرف قاضی عبد اللہ
قاضی نعمت اللہ عرف پیر ... قاضی ...

آپ کی پہلی شادی قاضی مقصود ابن قاضی غلام علی ساکن منیاکوری ضلع شاہ آباد آرہ
کی صاحب زادی سے ہوئی تھی جن سے تین لڑکیاں ہوئیں جن میں ایک لڑکی کی
شادی قاضی سید تفضل حسین مرحوم سید اعلیٰ ساکن موضع ... سے ہوئی لاولد
تھے (قاضی تفضل حسین کی دوسری شادی سید محمد رضا حسین رئیس عظیم آباد
تھے۔ وہ اور لڑکیاں بھی لاولد رہیں۔

قاضی اسد علی مرحوم کی دوسری شادی راقم الحروف کے جد اعلیٰ شیخ تمیم اللہ
ساکن موضع سیوہ دھا کی لڑکی سے ہوئی۔ واضح ہو کہ شاہ تمیم اللہ قاضی اسد علی کے
حقیقی پھوپھا تھے۔

اس شادی سے قاضی اسد علی مرحوم کو دو لڑکے اور چھ لڑکیاں ہوئیں بڑے لڑکے
قاضی محمد بخش یہ تو نوجوانی ہی میں قضا کر گئے۔ دوسرے لڑکے قاضی احمد بخش
تھے۔ ان کا اور دیگر چھ لڑکیوں کا حال بعد میں آئے گا۔

قاضی اسد علی مرحوم کا انتقال بعمر نوے سال ۱۲۷۸ھ میں ہوا۔ احمد کبیر مرحوم نے
تاریخ وفات کہی جو تاریخ کلام میں مرقوم ہے۔ اس حساب سے ولادت کی تاریخ ...
کے لگ بھگ قرار پائی ہے۔ راقم الحروف کی نانی مرحومہ نے بھی طویل عمر پائی۔
۱۲۸۸ھ میں وفات ہوئی۔ دونوں کے مزارات قاضی دولت پور ہی میں ہیں۔
آپ کے حالات اور سلسلہ نسب کا حال تذکرہ صادقہ مصنفہ مولوی عبد الرحیم صادق
پھلواروی میں ملے گا۔ آپ کا سلسلہ نسب بواسطہ مخدوم شمس الدین حقانی قدس سرہ

امر محمد موضع ہلوری ضلع مونگیر اور حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ
حضرت خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اس لئے آپ فاروقی شیخ
تھے۔ قاضی اسد علی مرحوم شیخپورہ کے لڑکے قاضی محمد بخش مرحوم راقم الحروف
کے حقیقی ماموں تھے۔

آپ سنہ [illegible]ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام ظہیر الحق تھا۔ آپ کو فارسی زبان و ادب سے
شغف رہا۔ کتب بینی کا بھی کافی ذوق تھا قلمی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا کتب
خانے کے علاوہ مولوی محمد فضل حسین ساکن مولوی پور ضلع گیا تھے ان کے کتب خانے
میں نایاب دواوین اور دیگر کتابیں فراہم کی گئی تھیں۔ آپ کو خود قلم فارسی میں
بڑی مہارت تھی شاعری بھی کرتے تھے۔ اردو داغل خمس تھا۔ فارسی میں زیادہ
تر غزلیں کہتے تھے۔ آپ کی شادی جناب محمد صادق علی مرحوم ترہت کی لڑکی
کی لڑکی سے ہوئی تھی پہ گیا میں مقیم تھے۔ تعمیر مکان کی جو تاریخ آپ نے کہی
تھی اس کا ایک مصرعہ یہ تھا ....

در ایں خانہ نور از چراغ نبی است۔

آپ سنہ ۱۳۰۳ھ میں بہار کے میلے میں تشریف لے گئے تھے وہیں وبائی ہیضہ میں
مبتلا ہوئے۔ حکما بھی ساتھ تھے اور میلے کے ڈاکٹر بھی تھے علاج سے کوئی فائدہ
نہ ہوا تو بڑی مشکل سے ... شیخ احمد اللہ مرحوم رئیس مولوی کٹرہ کے یہاں
لائے گئے بہتیرا علاج ہوا۔ دعا تعویذ بھی۔ منت بھی مانی گئی کہ صحت یابی پر ہم فلاں
درگاہ پر حاضری دیں گے مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر بعمر ... سال روح قفس عنصری
سے پرواز کر گئی۔ میت ... شریف کو دولت پور لائی گئی یہیں آبائی قبرستان میں
مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزند خان بہادر قاضی عزیز الدین رئیس آنجہانی گیا تھے
ولادت سنہ ۱۲۹۳ھ میں ہوئی۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ ... کے
شاگرد ... تخلص تھا۔ آپ کی شادی میر ... سید ... رئیس عظیم آبادی

کی لڑکی سے ہوئی تھی جن سے ایک فرزند قاضی انوار احمد ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے
ان سے دو لڑکے احسان احمد اور اقبال احمد پیدا ہوئے ۔ اقبال احمد کم سنی ہی
میں قضا کر گئے ۔ قاضی احسان احمد کی شادی عزیزی حاجی سعید صدیق عالم رئیس
پنہورہ کی لڑکی سے ہوئی ۔ صاحب اولاد ہیں ۔ قاضی احمد بخش مرحوم کی دو لڑکیاں
بھی تھیں ۔ ایک لڑکی کی شادی مولوی احسن رئیس اعظم ڈیانواں ابن مولوی کریم
علی مرحوم سے ہوئی ۔ ان سے ایک لڑکا مسٹر ولی الحق بار ایٹ لا ۔ رئیسہ باغ بانکی پور
پٹنہ (لاولد) اور تین لڑکیاں اور تینوں کی پھلواری ہی میں شادی ہوئی ۔ جن کے
نام حکیم نظیر الحق، مولوی محمد موسیٰ اور مسٹر زبیر ملک سب کی اولاد اب محلہ دیمنہ
پٹنہ میں مقیم ہیں ۔

قاضی احمد بخش کی دوسری لڑکی کی شادی مولوی سید عبد الحفیظ ساکن موضع
پنہورہ سے ہوئی جن سے دو لڑکے خان بہادر سید محبوب عالم اور حاجی صدیق
عالم ہوئے ۔ خدا کے فضل سے دونوں صاحب اولاد ہیں ۔ قاضی اسد علی مرحوم
مغفور کے فرزند قاضی احمد بخش مرحوم اور ان کی اولاد در اولاد کا حال تو
مرقوم ہو چکا ۔ اب ان کی چھ لڑکیوں کا حال بیان کیا جاتا ہے ۔

(۱) سب سے بڑی لڑکی کا نام بی بی نجم النسا تھا ۔ ان کی شادی مولوی فرحت
حسین ساکن محلہ صادق پور پٹنہ میں ہوئی ۔ جن کے بیٹے شمس العلماء مولوی محمد
یوسف (برادر علاتی مولوی عبد الرحیم مؤلف تذکرہ صادقہ) ہوئے اور ان کے
بیٹے مسٹر زکریا بار ایٹ لا ۔ ہوئے ۔ جو دھنباد میں بیرسٹری کرتے تھے اور
شادی پنہورہ ۔ میں ہوئی تھی ۔ صاحب اولاد ہیں ۔ (۲) دوسری لڑکی بی بی فضیلت
النساء عرف مجو ۔ ان کی شادی بخشی محلہ پٹنہ میں جناب قاضی محمد اسمٰعیل سے ہوئی
ان کے بیٹے قاضی عبد المجید ۔ ان کے بیٹے قاضی عبد الوحید ۔ (۳) تیسری لڑکی بی بی
زاہرہ ان کی شادی شہر عظیم آباد کے مشہور رئیس مولوی احمد اللہ ۔

ساکن محلہ لودی کٹرہ سے ہوئی ۔ حج کو گئیں اور وہیں انتقال ہوا ۔ لا ولد رہیں
(۴) چوتھی لڑکی بی بی اسحٰق ۔ ان کی شادی بستی ہی میں مولوی محمد علیم سے ہوئی تھی
لاولد رہیں ۔ (۵) پانچویں لڑکی بی بی رحب النساء عرف رجبن ۔ ان کی شادی
راقم الحروف کے والد ماجد سید شاہ حاجی محمد مبین سے ہوئی ۔
ان کے مفصل حالات مرقوم ہو چکے ہیں ۔ (۶) چھٹی لڑکی بی بی بتول النساء عرف
بتولن ۔ ان کی شادی مولوی ابو یوسف مرحوم رئیس موضع نتول ضلع پٹنہ سے ہوئی
ان سے صرف ایک لڑکی بی بی سلیم النساء ہوئیں جن کی شادی حافظ سید یوسف
علی ساکن قدیم موضع فریدپور حال مقام لودی کٹرہ پٹنہ سے ہوئی ۔ ان سے ایک
بیٹا سید منظر علی ہوئے اور صاحب اولاد ہیں ۔ اور تین لڑکیاں بھی تھیں ۔ ایک کی
شادی مولوی محمد احسن ساکن پورینہ سے ہوئی صاحب اولاد ہیں ۔ دوسری کی
شادی بہار شریف محلہ پر مولوی سبحان صاحب سے ہوئی ۔ صاحب اولاد ہیں تیسری لڑکی
کی شادی خان بہادر سید شاہ محمد کمال لودی کٹرہ پٹنہ سے ہوئی صاحب اولاد
ہیں ۔

برادران و ہمشیران

حضرت والد ماجد سید شاہ حاجی محمد مبین رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ اولاد
میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ۔ بڑے بیٹے حاجی سید شاہ لطف الرحمٰن جن کا ذکر آچکا
ہے دوسرے بیٹے سید شاہ عزیز الرحمٰن مؤلف کتاب ہذا تیسرے سید شاہ حبیب
الرحمٰن ۔ ایڈ ۔ انکا حال بھی لکھا جا چکا ۔ تین بیٹیوں میں سب سے بڑی کی شادی
مولوی ظفر امام تخلص رمزی آن، خواہر زادہ مولانا محمد سعید عظیم آبادی سے ہوئی محلہ
مغل پورہ میں سکونت تھی ۔ اپنے وقت کے رئیسوں میں شمار تھا ۔ آپ کے لڑکے
عزیزی فضل امام ہوئے جو آبائی سکونت ترک کر کے پٹنہ محلہ بھیکنہ پہاڑی گھر میں اپنے
نوساختہ مکان کا شاندار بنگلہ بنا کر رہتے ہیں ۔ صاحب اولاد ہیں ۔ دوسری بیٹی کی شادی بستی
ہی میں سید شاہ جلیل الرحمٰن سے ہوئی ۔ ان کے تین بیٹے ہوئے ۔

بوے سید شاہ حمید الرحمٰن جن کے بیٹے تھے حامد الرحمٰن۔ اور پوتے خلیل الرحمٰن۔ منجھلے بیٹے سید شاہ حبیب الرحمٰن جو ریلوے میں ملازم تھے وہ یکایک مفقود الخبر ہو گئے۔

تین بیٹیاں یادگار رہیں۔ چھوٹے بیٹے حکیم سید شاہ محبوب الرحمٰن لاولد رہے۔ میری بیٹی کی شادی مولوی شرف الدین ساکن محلہ بیتھو پور (مرگنا اسٹیشن) سے ہوئی ان سے ایک بیٹا سید شاہ فخرالدین۔ شادی انھوں شاہ حیات مرحوم کی لڑکی سے ہوئی۔ ان سے ایک بیٹا نجم الدین۔
بحال مقام کراچی۔ مرحومہ معہ دو لڑکیاں۔

سسرال

میری دوسری شادی شیخ پورہ ضلع مونگیر میں شاہ صادق صاحب محلہ بگہیہ کی بڑی لڑکی سے ہوئی ان کا سلسلہ حضرت مخدوم شاہ شعیب سے ملتا ہے اور اسی سے سب حسینی کہلاتے ہیں جناب شاہ صادق صاحب بڑے متقی پرہیزگار صوفی کی بیعہ گئے تھے ان کے ایک فرزند اور دو لڑکیاں پہلی محل سے تھیں جن کا ننہیال شیخ چاندپورہ سے تھا اور علاقہ سے حضرت مخدوم فرید الدین طویلہ بخش سے بیٹے کا نام قمرالدین۔ دو بیٹیوں میں بڑی کی شادی راقم الحروف سے ہوئی چھوٹی کی شادی شاہ فضل حسین سجادہ نشین خانقاہ منیر شریف سے ہوئی جن کے فرزند شاہ عنایت اللہ اور شاہ امداد اللہ۔ آپ کی دوسری شادی منیر شریف میں جناب شاہ فخرالدین شاہ فضل حسین کی بہن سے ہوئی جن سے تین فرزند شاہ مبارک (لاولد) شاہ خرد تقی (صاحب اولاد) اور شاہ فدا حسین (مجرد) ہوئے دو لڑکیوں میں ایک کی شادی مولوی سید محمد امیر دہر مولوی ساکن گورہٹہ پٹنہ (صاحب اولاد) اور دوسرے کی شادی موضع کرائی مولوی جمال الدین سے ہوئی (صاحب اولاد)

انتخاب اشعارِ حمد .... کاکوی

فلک تیرا زمیں تیری چمن تیرا شجر تیرا
یہ گل تیرا یہ بو تیری تری رنگت ثمر تیرا

ترے خوانِ کرم سے نعمتیں ملتی ہیں ہر اک کو
کوئی بھی بھول سکتا ہے یہ احساں عمر بھر تیرا

یہ دست و پا ہیں تیرے آنکھیں تیری یہ زباں تیری
یہ تن تیرا یہ جاں تیری یہ دل تیرا جگر تیرا

تعجب ہے کہ پرستش حمد سے ہوتی ہے عیاں کی
ادب مانع ہے کیونکر دوں جواب اے داد گر تیرا

کھنچ گیا ہے میری آنکھوں میں جو نقشہ تیرا
نظر آتا ہے ہر اک چیز میں جلوہ تیرا

کون ہے آپ کے سوا دل کا
کس سے کیجے گر دل گلہ دل کا

یہ جی میں آتا ہے رہ رہ کے عرضِ حال کروں
زباں ذہن میں ہے لیکن کہا نہیں جاتا

جب کوئی اپنا دردمند نہیں
ایسا جینا ہمیں پسند نہیں

آج کیا ہے کہ جو وہ مجھ سے جدا بیٹھے ہیں
بات کھلتی نہیں کیوں ایسے خفا بیٹھے ہیں

خوش قسمت ہو تم جو کچھ کہ چاہا مل گیا
اور اب کیا چاہتے ہو کیا تمہارے دل میں ہے

جان و دل سے جو نثار درِ جاناں ہو گئے
لذتِ وصل سے اک دن وہی شاداں ہوں گے

میں جو دیوانہ ہوں جاؤں جو بیاباں کی طرف
اٹھ کے پابوس مرے خارِ مغیلاں ہوں گے

بے سبب ان کی گلی میں نہیں ہم جاتے ہیں
اک نظر دیکھ لیا کرتے ہیں آتے جاتے

پیچھے کبھو حملہ چھپلتے ہو جرأت مانتا ہے گیا
کچھ تو ہے حسب تو نو باں رو زہو آنے جانے

غضب کے اٹھے ہیں ٹکڑے سیاہ بادل کے
مزہ ہو کھول دے ساقی ابھی مینہ کو نوقل کے

یہ دہ کے خانہ تن میں یہ پی کے خول ابھرا
خجی سے شوخیاں کرتا ہے طفل دل پل کے

ہم ہمیں کس کو یہ ہمارا ہے
ایک دل بھی جو ہے تمہارا ہے

سن کے آواز ہم پلٹ آیا
کس نے ہم کو ابھی پکارا ہے

جو ہمارے تمہارے ہیں تعلق
یہ ہمارا ہے وہ تمہارا ہے

بندھی پھر نئی زندگی کی امید
شب غم جب اپنی بسر ہو گئی

ہوئی ہے گھر کو یہ رونق تمہارے آنے سے
نہ جانے دیں گے تمہیں اب غریب خانے سے

نفوس کی آمد و شد سے حیات قائم ہے
عروج ربط کو ہوتا ہے آنے جانے سے

یہیں پرساں نہیں جب اپنا پرایا کوئی
عرصۂ حشر میں کیا ہوگا کسی کا کوئی

یہی کیا کم ہے جو وہ پوچھ لیا کرتے ہیں
ان سے ملنے کو جو جاتا ہے شناسا کوئی

لاکھ ہم ظلم سہیں لاکھ ہم دعائیں بھی کریں
ان کو ہم سے نہ ہوئی ہے نہ محبت ہوگی

کھینچے نقاشی ازل نے تو ہزاروں نقشے
کلک قدرت سے مگر ایک ہی صورت نکلی

ہے بھلا یا برا میرا دل ہے
آپ کو کیا ہے آپ کا دل ہے

بات سچ ہے کوئی کسی کا نہیں
اپنے مطلب کے آشنا ہیں لوگ

کوئی سنتا نہیں کسی کا حال
کس کو کوئی سنائے جی کا حال

لاکھ بہلائیں بہلتا ہی نہیں
دل سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں

نہ پورا کیا تم نے وعدہ کبھی
اسی آج کل میں بسر ہو گئی

منہ سے نکلی بھی تھی نہ آدھی بات
کاٹ دی آپ نے ہماری بات

آپ میرے نہ سہی آپ کا غم ہے میرا
یہ سلامت ہے تو مل جائینگے غمخوار بہت

آدمی کو جو کر رہا ہے کرنے
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

پوچھنے کی نہ کسی سے مجھے حاجت ہوگی
رہنما میری خود اس گل ہی کی نکہت ہوگی

ڈھونڈتے پھرتے تھے مدت سے ہم اپنا رازدار
ایک دنیا ہوگئی نا آشنا کس سے کہوں

دل وہ کیا جس میں آرزو ہی نہیں
پھول وہ کیا کہ جس میں بو ہی نہیں

آگے دیکھی تھی جو تیری صورت
اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں

وہ مخاطب ہیں اور جانب حمد
چلو اٹھو یہاں ہو کیا بیٹھے

جوہر کھلا بشر کا ہوا جب وطن سے دور
وہ لعل قیمتی ہوا جو ہے یمن سے دور

خلوت نشینی آگئی کچھ ایسی ہی پسند
رہ کر وطن میں رہتے ہیں اہل وطن سے دور

آنکھوں میں آؤ تم نظر کی طرح
سمجھو اس گھر کو اپنے گھر کی طرح

دونوں عالم کی سیر گاہ ہے یہ
ہر طرح کی بہار ہے دل میں

خاکساروں کو حقارت سے نہ دیکھ
گنج پنہاں ہے اسی خاشاک میں

امن ہونے کو ہے یا حشر بپا ہونے کو ہے
کچھ نہیں کھلتا کسی پر یہ کہ کیا ہونے کو ہے

سن کے اشعار مرے کہتے ہیں یہ اہل سخن
کس بلا کی تری اے حمد طبیعت نکلی

غیر کے ساتھ جو آئے ہو عیادت کو مری
تم نے اچھا یہ علاجِ دلِ ناکام کیا
وہ آئے بھی اور لوٹ گئے سوتی تھی تقدیر
اللہ رے عالم یہ مری بے خبری کا
تم کہے جاؤ — ہم نہیں سنتے
ہم کہے جائینگے گلہ دل کا
کس طرح جو شبِ ہجر کو تمام کیا
تو جھک کے صبح قیامت نے بھی سلام کیا
یہ داغ غم عدم کے راستے میں کام آئے گا
چراغ ایک سے چلے ہی ہم چھپا کر اپنے دامن سے
جگر پھنکتا ہے سوز ہجر سے دل بھی تو جلتا ہے
ترے بیمار کو راحت نہ اِس کروٹ نہ اُس کروٹ
ہر گھڑی دیکھتے ہی رہتے ہیں وہ اپنا جمال
آئینہ دیکھ کے فرماتے ہیں کیا خوب ہیں ہم
جو گزری ہے مصیبت آپ کی فرقت میں اس دل پر
بیاں آساں نہیں اسکا وہ قصہ ایک ناول ہے
آنے سے ترے دوست یہ گھر اور ہی کچھ ہے
دیواریں ہیں کچھ اور تو در اور ہی کچھ ہے
جلسوں میں کیا جائیں ہم یاروں کی وہ محفل نہیں
وہ طبیعت اب نہیں وہ سن نہیں وہ دل نہیں

بہت ڈھونڈا مسیحا کوئی ملا ہی نہیں
ہمارے دکھ کی جہاں میں کوئی دوا ہی نہیں

گنہگار ان سے دل پچھتا رہے ہیں
سزا اپنے کئے کی پا رہے ہیں

ملک نے کیا دکھائی ہے صنعت الگ الگ
ہر آدمی کی ہے جو یہ صورت الگ الگ

عدو سے مل گیا ہے نامہ بر تک
نہیں ملتی ہمیں اسکی خبر تک

میخانے میں تو دین گنوا آئے ہیں شیخ جی
اب انجمن میں کرتے ہیں دستار کی تلاش

بیوفائی کرینگے وہ ہم سے
ہم کو ایسا نہ تھا گمان کبھی

اے جوانو ہنسو نہ بوڑھوں پر
تھے تمہاری طرح جوان کبھی

ابھی سیدھے ہو مثل تیر جیساں
جھک کے ہو جاوگے کمان کبھی

زندگی کہتے ہیں اسکو ہے یہ لطف زندگی
ہر گھڑی پیش نظر جس کے جمال یار ہو

یوں شہادت ہو تو آئے گا شہادت میں مزا
رخ قاتل پہ نظر ہو حلق پر تلوار ہو

برخوردار رشیدہ حافظ محمد ولی الرحمٰن مدعمرہٗ فرزند نخستین

بہ تاریخ بست ویکم شوال ۱۳۱۶ ہجری روز دوشنبہ بمقام کاکو آبائی مکان کے شمالی حصہ میں ایک کوٹھری زچہ خانہ کے لئے جو مخصوص ہے۔ بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔ تاریخی نام شاہ رحمٰن (۱۳۱۶ھ) نام ولی الرحمٰن رکھا گیا اور اسی نام سے مشہور ہیں۔ ان کی بسم اللہ خوانی جناب حضرت شاہ محمد اکبر صاحب ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ دانا پور نے کاکو میں فرمائی۔ ابتدائی تعلیم اردو، فارسی اور عربی گھر ہی میں ہوئی۔ حفظ قرآن کے لئے حافظ مقرر کئے گئے بالآخر ۱۳۳۰ھ میں کلام ربانی کے حافظ ہوئے اور محراب ختم قرآن کی سعادت حاصل کی۔ حفظ قرآن کی تاریخ قطعہ ذیل سے ظاہر ہوگی ؎

قطعہ تاریخ

ختم قرآن کیا ولی نے آج — حق تعالیٰ کا شکر حمد کرو
ہے نہایت خوشی کا یہ موقع — اسکی تاریخ اب تو کہہ ڈالو
جس سے ہجری کا سال نکلے صاف — تعمیہ اور تخرجہ بھی نہ ہو

سوچ ہی رہے تھے ہم کہ ہاتف نے دی یہ آواز سوچتے کیا ہو
لکھ دو اے حمد تم یہ ہجری سال
"دل حافظ ہوئے مبارک ہو"

۱۳۳۰ھ

گھر پر تھوڑی انگریزی پڑھنے کے بعد محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ میں چوتھے کلاس میں داخلہ ہوا اور ۱۹۱۸ء میں اول درجہ میں میٹرک کیا اور پٹنہ کالج کے اف اے کلاس میں داخل ہوئے۔ ۱۵ نومبر ۱۹۱۹ء کو مولوی سید امانت حسین ڈپٹی کلکٹر ساکن موضع بیج محلہ ضلع گیا کی لڑکی سے شادی انجام پائی۔ برات کاکو سے بذریعہ ریل گیا گئی جہاں ڈپٹی صاحب موصوف بہ حیثیت منیجر کورٹ آف وارڈس مقصود پور راج مقیم تھے۔ اف اے پاس کرنے کے بعد ہزاری باغ کالج سے بی اے امتیازی طور پر پاس کیا اور ام اے فارسی میں پٹنہ کالج سے پاس ہوئے۔ بی۔ ال کا امتحان بھی پاس کیا مگر چونکہ وکالت کی طرف طبیعت راغب نہ ہوئی اس لئے ۱۹۲۷ء میں گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کی اور عہدہ، ڈپٹی کلکٹری پر بحال ہوئے۔ شعر و شاعری کا شوق لڑکپن سے تھا۔ بہت اچھا کہتے ہیں اور مشق سخن بھی اچھی ہے۔ خان بہادر علی محمد شاد سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

[نوٹ مرتب :- عہدہ ڈپٹی کلکٹری پر بعہدہ کمشنر کے ذاتی مشیر رہ کر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ذوق شعری کے

ساتھ تنقیدی و علمی مضامین بھی لکھے اور رسالوں میں شایع ہوئے۔
ابھی حال ہی میں آپ کا مجموعہ کلام (رباعیات و منظومات) بہ نام
تجلیات ولی آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ ریاض الرحمن۔
(ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ) نے شائع کیا ہے۔ ۱۳/ جون ۱۹۶۳ء کو
کچھ دنوں بیمار رہ کر انتقال کیا۔ تجہیز و تکفین خانقاہ مجیبی کے قبرستان
میں ہوئی جہاں ان کے خسر بھی مدفون ہیں۔

اولاد کے نام:- ریاض الرحمن، نعیم الرحمن، انیس الرحمن،
شمیم الرحمن اور سعید الرحمن اور دو لڑکیاں مہہ جبین اور خورشید جبیں
(جس کا تدفین میں ابھی حال ہی میں انتقال ہو گیا۔ سب خدا کے فضل سے
صاحب اولاد ہیں)

سیدہ شاہ مولانا محمد منظور الرحمن فرزند اوسط

بتاریخ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کاکو میں پیدائش ہوئی۔
امجد خانی حضرت شاہ محمد اکبرؒ سجادہ نشین داناپوری نے فرمائی۔
اردو، فارسی اور عربی اور قدرے انگریزی گھر پر پڑھ کر ٹینہ کالجیٹ
اسکول میں داخل ہوئے پھر وہاں سے بانکی پور نیو کالج کے آٹھویں
درجے میں داخل ہوئے سنہ ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کے
سلسلہ میں تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔ کچھ دنوں گھر پر بیکار رہے
پھر مدرسہ شمس الہدیٰ میں داخل ہو کر وہاں سے تکمیل تعلیم کی۔

میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا۔ برادرم جناب سید شاہ محمد فرید صاحب کی محل ہوئی ہے جو لڑکی ہے اس سے۔ بتاریخ ۲۷ رشعبان ۱۳۴۶ھ شادی انجام پائی۔ کچھ دنوں بتیا میں پادریوں کے اسکول میں بحیثیت ہیڈ مولوی ملازم رہے پھر صغریٰ اسکول بہار شریف میں برسرکار ہیں۔ ذوق سخن نزئین سے ہے۔ طبیعت بہت موزوں پائی ہے۔ تحریر و تقریر بھی دل نشیں ہوتی ہے۔ قومی اصلاح اور ادبی سرگرمیوں سے خاص شغف ہے۔ شاعری اچھی کرتے ہیں۔ اختر تخلص ہے۔ خان بہادر علی محمد شاد سے اصلاح سخن لیتے ہیں۔ ۱۳۴۶ھ سے کاکو میں نماز عیدین کی امامت و خطابت پابندی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ خطبہ پر مغز، اثر آفریں اور سبق آموز ہوتا ہے۔ چالیس سال تک میری امامت و خطابت عیدین کے بعد یہ خدمت اب انہی کو سپرد ہوئی ہے اور صحیح معنوں میں میرے جانشیں ہیں۔

نظم، رباعی، غزل، قطعات ہر صنف سخن میں بڑی اچھی مشق ہے اور کلام میں پختگی بھی ہے اور دلکشی بھی۔

[نوٹ مرتب]:۔ ریٹائر ہونے کے بعد بھی بہار شریف میں ہی مستقل قیام ہے۔ مشق سخن جاری ہے اور شاگردوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہو گیا ہے۔ جو ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔ صرف ایک نظم "تحفہ عید" کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ دو رمختلف رسالوں اور اخبارات میں مضامین اور نظمیں شائع ہوئی ہیں۔

اولاد کے نام:- مسعود الرحمن، محمود الرحمن، شفیع الرحمن، امین الرحمن اور ایک لڑکی نجمہ رحمن]

سید شاہ محمد عطا الرحمن پسر خُرد

بتاریخ ۶ رجب ۱۳۲۲ھ روز شنبہ کو کاکو بیگھا پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "شاہ رضوی" اور "غلام امین" ہے۔ ابجد خوانی حضرت شاہ اکبر داناپوری نے فرمائی، گھر پر ابتدائی تعلیم ہوئی پھر پٹنہ سیٹی اسکول میں داخل ہوئے۔ دو سال کے بعد نیو کالج کے آٹھویں درجے میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۰ء کی تحریک ترک موالات میں شریک ہو کر تعلیم سے دست بردار ہو گئے۔ دو سال کے بعد پھر تعلیم کا شوق ہوا تو گیا ضلع اسکول میں دسویں کلاس میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۴ء میں میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ انٹرمیڈیٹ اور بی اے آنرس ۱۹۲۸ء میں اور ایم اے فارسی میں ۱۹۳۰ء میں۔ اردو میں بھی ام اے کیا اور بی ایل بھی ہوئے۔ مگر وکالت کی طرف طبیعت کا رجحان نہ ہوا۔ ملازمت پہلے پہل خانقاہ ہائی اسکول اسلام پور ضلع پٹنہ میں بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر کی پھر بی ان کالج میں، اس کے بعد مظفر پور گورنمنٹ کالج میں بہ حیثیت لکچرار کام انجام دے رہے ہیں۔

[نوٹ:- ۱۹۶۲ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ پھر پٹنہ یونیورسٹی درسی اور عربی اور فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

میں بہ حیثیت ڈائرکٹر برسرِ کار رہے۔ پھر جناب کلیم الدین احمد صاحب کے ساتھ ترقی اردو بورڈ دہلی کے زیرِ اہتمام لغت کی تیاری کا میں شریک کار رہے۔ آج کل خدا بخش لائبریری میں فارسی مخطوطات کی توضیحی فہرست (انگریزی) کی ترتیب میں برسرِکار ہیں۔

اولاد:۔ مطیع الرحمٰن۔ رشید الرحمٰن (ارشد) (مرحوم) حمید الرحمٰن، عظیم الرحمٰن، کلیم الرحمٰن، سلیم الرحمٰن، شکیل الرحمٰن، فرخندہ جہاں، شمیمہ عرف ثریا]

(ع۔ ک۔ مرتب)

انتخاب کلام وکی

میں حرم نشیں جو نہ ہو سکا تو بلا سے دیر نشیں سہی
مجھے تیرے جلوے سے کام ہے جو وہاں نہیں تو یہیں سہی

جو ہنس ہنس کر پیئے جام فنا پینا اسی کا ہے
بنا دے موت کو جو زندگی جینا اسی کا ہے

نہ حرم کی ہے مجھے جستجو نہ درِ بتاں کی تلاش ہے
ترے سنگِ در کی ہے آرزو ترے آستاں کی تلاش ہے

خودی کے نور سے نورِ خدا ملا مجھ کو
اسی زمیں سے کیا اس نے آسماں پیدا

ہے زندگی تو حقیقت میں زندگی اُس کی
جو موت سے بھی کرے عمرِ جاوداں پیدا

ذرا اٹھ کے شعلۂ دل دکھا تو ہی اس غریب کو راستہ
کہ اندھیری رات میں برق کو ترے آشیاں کی تلاش ہے

قیودِ شام و سحر سے نکل گیا ہوں میں
حدودِ کاکل و رخ میں اب آ گیا ہوں میں

فریبِ وہم و گماں میں سب ہیں کسی کو ذوقِ نظر نہیں ہے
دگرنہ وہ حسنِ بے تماشا کہاں کہاں جلوہ گر نہیں ہے

وصال کی شب سحر تک ان کو فریب دے دے کے روک رکھا
تمہارے جلوے کی روشنی ہے ابھی نمودِ سحر نہیں ہے

عقل الجھ کے رہ گئی وہم کے تار و پود میں
حسن کی دیکھ لی جھلک عشق نے ہر وجود میں

انتخاب کلام اختر کاکوی

کام کرنے کو بہانہ کچھ نہیں کچھ نہ کرنے کو بہانہ چاہیئے

دے دیا اس نے محبت سے محبت کا جواب
خاتمہ ہو گیا اب عشق کے افسانے کا

سمٹ آئی ہیں زلفیں ہر طرف سے روئے جاناں پر
ہوا ہے حملۂ کفار اک بیکس مسلماں پر

حق پر کبھی باطل کا گماں ہو نہیں سکتا
جو صاف عیاں ہے وہ نہاں ہو نہیں سکتا

اسلام کے مٹنے کا گماں ہو نہیں سکتا
یہ پھول کبھی نذر خزاں ہو نہیں سکتا

ہم اور ترے ظلم کا قصہ ترے آگے
کہنے بھی جو بیٹھیں تو بیاں ہو نہیں سکتا

نہ ہوا میں عرش نشیں اگر تو بلا سے فرش نشیں نہیں
تری بزم میں جو گزر نہیں تری رہگزر کی زمیں سہی

غرق کشتی ہو چلی افسوس ساحل کے قریب
حسرتیں سر پیٹتی ہیں سوئے ساحل دیکھ کر

خم کا خم خالی صراحی سے جدا اچھا نہ ہے
کس قدر سنسان اے ساقی ترا میخانہ ہے

جب وہ بھی محبت کرنے لگے تب ہوتے دید نہیں باقی
آغاز محبت میں اختر ڈرتے تھے اسی انجام سے ہم

انتخاب کلام عطاؔ

وہ دل میں حوصلہ ہی کیوں کرے سفر کے لئے
جو ہر قدم پہ رکے سایۂ شجر کے لئے

ہوئی جو دھوپ تو کچھ اور بڑھ گئی ظلمت

فضول رونے تھے ہم غنچۂ سحر کے لئے

اب کوئی اسکو دیکھے مجھے اس کا غم نہیں

رہ گیا گیا ہے جلوے میں میری نظر کے بعد

زبان سوسن کی کاٹ ڈالو تم آنکھیں نرگس کی پھوڑ ڈالو

جو پتے سرگوشیاں کریں گے انہی سے اک داستاں بنے گی

موت اپنے بس کی ہو تو زندگی بن کر رہے

غم اگر اپنی خوشی کا ہو خوشی بن کر رہے

وہ ہاتھ دل پہ مرے رکھ کے کر رہے ہیں تلاش

بتا دے اٹھ کے تو ہی درد ہم یہاں پر ہیں

مصیبت جو بھی ہوتی ہے خوشی سے جھیل لیتے ہیں

الم سے دل کو بہلاتے ہیں غم سے کھیل لیتے ہیں

بدل گیا ہے جب اپنی حیات کا مقصد

بھٹک رہا ہے سر راہ زندگی کیسی!

سرمد اور منصور کی باتیں آج زمانہ بھول گیا

دار و رسن کے کھیل ہوئے تھے میرے سر سے پہلے بھی

اس میں کیا نقصان تھا ہوتا نیند کا ایک بہانہ تو

میرے حال پہ رحم نہ کرتے سن لیتے افسانہ تو

مٹے نہ دل سے کبھی ذوق آشیاں سازی
ہزار بار جلے تو ہزار بار بنا

پسند تو ہے مگر یہ مجھے پسند نہیں
کہ ہر زباں پہ ہو تیری گفتگو اے دوست

چراغ لے کے چلا ہے جو حسن مندر میں
خبر نہیں کہ ہے خود اس کے نقش پا میں چراغ

دل سے جو اٹھی پھیل گئی تا بہ جگر آگ
کس طرح بچے جان ادھر آگ ادھر آگ

میرے اس پا سے جنوں کی تو سر افرازی دیکھو
میرے گھر آیا ہے خود لینے بیاباں مجھکو

زخم بھلا کیسے اچھا ہو ناخن سے جب چھلتا جائے
ایک طرف سے ٹانکیں ٹوٹیں ایک طرف سے سلتا جائے

دیر میں اب ہے حرارت نہ حرم میں گرمی
آگ مطلوب ہے دل کو وہ کہیں سے اٹھے

کمال حسن کی کیا تیرے کوئی حد دیکھے
جنوں نہ دیکھ سکا جس کو کیا خرد دیکھے

خرد کی اس کی پڑی ہے جنوں کو رام کرے
جنوں ہے گھات میں خود عقل کو غلام کرے

خبر نہ تھی کہ براہیم خود تھے عشق کی آگ
جو آگ میں ڈالی گئی تو کیا جلتی

یادِ وطن

(کاکو کی منظوم داستان)

از

محمد کاکوی

جہاں میں کون ہے وہ جو علی الدوام رہا
وہی ہے زندۂ جاوید جس کا نام رہا
(ع - ک)

پیش لفظ

آثار کاکو کے مصنف حضرت والد ماجد حمد کاکوی نے چند قطعات میں کاکو کی منظوم تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے وہاں کے اگلے بزرگوں اور باشندوں کی یاد دہانی کی ہے جنہوں نے اس بستی کو اپنے کارناموں سے روشن رکھا اور پسماندگان کو اپنے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ بخشا۔ ان اشعار میں پہلے ان لوگوں کا ذکر خیر ہے جو مصنف کی زندگی سے پہلے اس دنیائے آب وگل کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھارے۔ پھر ان اشخاص کا ذکر ہے جنہوں نے مصنف کی زندگی میں وہاں چلے گئے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔

مرتب کتاب ہذا کو یہ افسوس ہے کہ مصنف کی زندگی ہی میں ان مذکورہ اشخاص سے متعلق مزید معلومات حاصل کر کے قلم بند نہ کر سکا۔ انقلاب زمانہ سے ان لوگوں کے اخلاف نہ جانے کہاں کہاں منتشر ہو گئے اور بستی کا شیرازہ ہی بکھر گیا۔ اب ایسا کوئی معمر شخص بھی نہیں جو ان کی نشاندہی کر سکے۔ مرتب کتاب ہذا نے اپنی امکانی واقفیت کی بنا پر تعلقات میں جو نظم کے اختتام پر مندرج ہیں مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ گرچہ یہ مکمل تو نہیں پھر بھی جہاں تک ممکن ہو سکا قلم نے کوتاہی نہیں کی ہے۔

عطا کاکوی

یاد وطن

قطعہ اول

ادھر بگوش توجہ سنو تو کچھ میری
بیان کرتا ہوں اپنے وطن کی میں روداد

پرانی بستی ہے کاکو زمانے میں مشہور
یہیں ہے گھر مرا مدت سے ہوں یہیں آباد

کہوں میں کیا جو شرف اس زمیں کو حاصل ہے
خدا کے فضل سے ہے کچھ عجیب فضا و سواد

رسول پاک ﷺ کا آیا ہے تخت پاک یہاں
مگر یہ عالم مخفی دکھاؤں کیا اسناد

ہے جسکو دیکھنی آنکھ دیکھ لے اسکو
یہ قصہ سچا ہے ہرگز نہیں ہے بے بنیاد

یہاں ہے خواجۂ اجمیر کا عصائے شریف
ہے کس زمانے سے یہ تو نہیں کسی کو یاد

یہیں ہے حضرت بی بی کمال کا روضہ
کہ جنکے فیض و توجہ سے کاکو ہے آباد

یہاں وظیفہ ابھی فیض آپ ہی کا جاری ہے
یہاں جو آتا ہے پاتا ہے اپنے دل کی مراد

انہی کے والد ماجد ہیں حضرت جگجوت
کہ جن کے گھر میں ہوئے سیکڑوں ولی اوتاد
یہ کاشغر کے تھے فرماں روائے با انصاف
علاحدہ ہوئے اس سے جو آئی حق کی یاد
تھا بادشاہ جو فیروز تغلق عادل
اسی نے روضۂ اقدس کی ڈالی تھی بنیاد
یہیں ہے حضرت بی بی کمال کا روضہ
اسی سے کاکو کا اک نام ہے کمال آباد
پھر اسکے بعد بزرگان اور بھی آئے
کوئی تھے قطب کوئی تھے ولی کوئی اوتاد
ہیں اس زمیں میں نہاں سیکڑوں ولی اللہ
بتاؤں نام میں کس کس کا مجھکو ہو بھی یاد
یہیں ہیں حضرت لنگر زمیں آسودہ
امام تاج فقیہ منیر کی اولاد
دیار قدس سے تبلیغ دیں کو پہنچے یہاں
یہ ہیں منیر کے فاتح یہ ہیں امام جہاد
تھے ان کے حضرت عبد العزیز جو فرزند
انہی کی حضرت لنگر زمیں ہیں اولاد
لقب تو انکا ہے لنگر زمیں سلیمان نام
تمام صوبے میں پھیلی ہے آپ کی اولاد

یہی ہیں حضرت بی بی کمال کے شوہر
ہیں یہ بھی حضرت جگجوت کے تو اک داماد
منیر سے چلے کاکو میں رکھا رخت سفر
پسند آ گئی یہ سرزمیں کیا آباد
یہیں تو لیٹے ہیں مخدوم شاہ شمس الدین
وطن تھا ان کا دوانق یہ خطۂ بغداد
وطن سے آئے تو یہ رہ گئے یہیں تا عمر
انہی سے کاکو کا حصہ زیادہ ہے آباد
کہاں ہیں حاجی محامد تھا جنکا پاک خطاب
وہ کاکو، مانو، رومی سبھی تھے پاک نژاد
کہاں ہیں حضرت مخدوم شہ حبیب اللہ
جو قبر سے دیے بیٹوں کو درس اور ارشاد
رسول پاک سے گیارہ خطاب ان کو ملے
بجا ہے گر کہیں ان کو ولی مادر زاد
کہاں ہیں شاہ کلیم اللہ اور اہل اللہ
کہاں ہیں شاہ نعیم اللہ اور شاہ امداد
یہ کیسے کیسے بزرگاں گذر گئے ہے ہے
یہ لوگ راقم خطہ کے تھے صحیح اجداد
ہے اک مقام یہاں پرسواد دینی باغ
اسی جگہ پہ یہ حضرات ہیں سبھی آباد

بقا نگر ہے یہاں اک مقام پاکیزہ
عجیب جگہ ہے منوار بہ عون رب عباد
یہی جگہ ہے جہاں آیا ہے مبارک تخت
یہی سبب ہے جو ہے اس جگہ میں ایسا سواد
یہی زمین تو بدلی گئی ہے جنت سے
لکھی ہے تذکرہ میں اسکی دیکھ لو روداد
اسی جگہ میں ہیں مولانا شاہ عبد غنی
بڑے بزرگ تھے یہ اپنے وقت کے اوتاد
تھا علم ظاہر و باطن میں انکو پورا کمال
وہ ایسے تھے کہ انہیں کہئے سقف دیں کے عماد
انہی کے مرشد کامل ہیں حاجی تاتار
کہ جن کی مسجد و تربت بھی ہے عظیم آباد
مسیح وقت جناب فصیح تھے طب میں
تھے پورا ئے مشیخت پہ صاحب ارشاد
اسی کے قرب میں ہے اک مقام رشیہ بھی
ہیں اس زمیں میں اک غوث پاک کی اولاد
ہے ان کا اسم گرامی علی اکبر شاہ
خطاب دانشمند ان کا ہے ہر اک تو یاد
وہ رکن دیں و قیام الدیں اور اسد اللہ
کوئی ولی ہیں کوئی قطب ہیں کوئی اوتاد

وہ شاہ باگ دعلی ارشد و مبارک شاہ
یہ سب بزرگ اسی سرزمیں میں ہیں آباد

وہ شاہ موسی و عز کاکوی و ابراہیم
یہ وہ ہیں جن کے گھر دل میں تھے جاری رشد و ارشاد

کہاں ہیں حضرت اصلح و حضرت سیاح
ہیں ایک ریٹھ میں اک ہیں موہان بہ آباد

کہاں ہیں حاجی سلیمان و شاہ ارزانی
وہ ماہرو ہیں کہاں جن سے تکیہ ہے آباد

کہاں ہیں خواجہ عبدالقدوس اسلم شاہ
تھے جعفری و رشیدی ولی مادر زاد

ہیں یہ بھی کاکوی کے اک بزرگ عالی شان
مگر مزار ہے ان کا شریعت آباد[۱]

تھے اک بزرگ مرید آپ کے علیم اللہ
ہر ایک علم میں تھی جنکو پوری استعداد

وطن تھا ان کا بدایون ادہی تھا نسب
کسی طرح سے جو وہ آ گئے عظیم آباد

---

۱ شریعت آباد متصل اسٹیشن پٹنہ جنکشن باکی پور ہے۔ پھلواری شریف جاتے ہوئے ملتا ہے۔ وہیں آپ کا اور آپ کے والد ماجد جناب سید شاہ جعفر علیہ الرحمہ کا مزار پر انوار پختہ چہار دیواری کے اندر واقع ہے۔ یہ اولاد سے حضرت سید ابراہیم زندہ دل کاکوی کے ہیں (مصنف)

ہے اک کتاب بڑی معتبر نصوص حکم
جو ہے رموز تصوف میں قابل اسناد
اسی کی شرح لکھی آپ نے بڑی معقول
بجا ہے اسکو کہیں ناظرین گنج مراد
ہے خانقاہ مجیبی میں شرح وہ موجود
نہیں ہے اسکے سوا میرے پاس کچھ اسناد
انہیں سے مجھکو یہ اتنا پتا ملا انکا
جو کچھ ملا وہ لکھا کچھ نہیں کیا ایزاد
کہاں ہیں شاہ محمد، وہ اولیا، درویش
انہی سے تکیہ میاں باغ کا تو ہے آباد
وہ ملنا وارث و مردان علی کہاں ہیں اب
سنا ہے میں نے یہ دونوں ہی تھے بڑے عباد
یہ خود کریم تھے ابن کریم ابن کریم
یہ تھے اکابر پاکیزہ صاحب ارشاد
ہے اک جگہ یہاں مشہور بڑا تکیہ
وہیں ہیں شاہ علی اکبر فرشتہ نژاد
کہاں ہیں مولوی عبد السمیع اہل کمال
جو علم ظاہر و باطن کے تھے بڑے استاد
کہاں ہیں سید شاہ امام علی رضوی
امام حضرت موسیٰ رضا کی تھے اولاد

کہاں ہیں شاہ ولایت، حسین و شاہ وحید
یہ چار بھائی تھے اک والدین کی اولاد
علاوہ ان کے بزرگاں اور بھی ہیں یہاں
کہ جن کے حال سے واقف نہ نام ہے مجھے یاد
یہ پہلے گزرے ہیں مجھ سے یہ اگلا قصہ ہے
سنو تو میں کہوں کچھ اپنے وقت کی روداد
ہمارے عہد میں تھے ایسے ایسے لوگ یہاں
کہ جنکو دیکھ کے روشن تھیں آنکھیں دل تھا شاد
کدھر گئے وہ امیر و فقیر و عارف حق
جناب شاہ تبارک حسین پاک نژاد
یہ میرے جد مکرم کے چھوٹے بھائی تھے
تمام کنبے کی اپنے یہ کرتے تھے امداد
انہی کا ہوتا ہے سالانہ عرس کا کو میں
غریب و مفلس و بیکس کو ملتی ہے بو تاد
کہوں میں کیا کہ جو کچھ تھیں بزرگیاں ان میں
کہ ان سے روحی پہنچتی ہے آج تک امداد
وہ حاجی سید و شاہ مبین اہل سخا
غریبوں کی جو کیا کرتے تھے بڑی امداد
یہی ہیں قبلہ و کعبہ مرے پدر مشفق
انہی کی میں بھی ہوں اک ننگ خانداں اولاد

جناب شاہ مبارک حسین عم بزرگ

خدا نے ان کو بنایا ہی تھا سخی بجواد
ہمیشہ دست کرم آپ کا کشادہ رہا

غریب و اہل ضرورت کی کرتے تھے امداد
نہ چھوڑا کچھ بھی عزیزوں کے واسطے اپنے

لٹا یا اتنا کہ دولت کو کر دیا برباد
پھچیرے بھائی حقیقی تھے میرے والد کے

تھے والدہ کے بھی میرے وہ بھائی ماموں زاد
کہوں میں کیا کہ یہ کیا شخص تھے زمانے میں

تمام عمر رہے مستقل عظیم آباد
یہ اپنے دور میں گزرے رئیس نامآور

ابھی ابھی تو روانہ ہوئے عدم آباد
جوار حضرت جگجوت میں جگہ پائی

مقام جیٹھلی جو ہے متصل عظیم آباد
سخن شناس و سخن فہم اور سخن گو بھی

وحید سحر بیاں تھے مشیر اور اُستاد
انہی کے بیٹے ہیں نامی گرامی شاہ کمال

ہیں خاں بہادر و حاجی بہ عون رب عباد
کہاں ہیں شاہ خدا نے جی وواجد بھی

گئے جہاں سے یہ دونوں بھائی بے اولاد

علی حسین جو منصف تھے چل دیے وہ بھی
وہ دینگے قبر سے فریاد کی ہمارے داد
انہی کے بھائی حقیقی تھے شاہ ابن حسین
ہوئی جو شادی تو وہ رہ گئے عظیم آباد
انہی کے بیٹے تھے اک احمد و میاں شاعر
وہ شعر کہتے تھے رہتے تھے ہر جگہ آزاد
جئے نہ اور بھی کچھ روز آہ شاہ حمید
ہے ان کے خلق و کرم کا گواہ شاہ آباد
انہی کے بیٹے ہیں لائق عزیز شاہ فرید
خدا کے فضل و کرم سے ہیں صاحب اولاد
گئے جوان جہاں سے اخی شاہ جمیل
خجستہ خصلت و ہم صلح جو و نیک نہاد
وہ نوجواں جو بھائی تھا عبدالرحمن آہ
نہ جائیگی کبھی دل سے ہمارے اسکی یاد
وہ نوجواں و حسیں ہائے ہائے شاہ جلال
ہمارا رشتہ میں جو چھوٹا بھائی تھا عم زاد
ہماری گود میں کل کھیلتے تھے وہ دونوں
انہیں سے آج ہے آغوش قبر کی آباد
غم والم سے ہے دل چور چور اخواں کا
دلوں سے جا نہیں سکتی کسی کے ان کی یاد

تھے شاہ لعل ہمارے جو اک بزرگ چچا
جوان ہی تھے کہ چلتے ہوئے عدم آباد
بھری تھیں خوبیاں جو جو مزاج میں ان کے
بیان سے ہے وہ باہر ہے ہر کسی کو یاد
مصوری میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے
سمجھتے اسکو اگر ہوتے مانی و بہزاد
نہ بھولنے کی جوانی ہے فضل رحمٰن کی
عدم میں باپ سے ملنے کو یہ گئی اولاد
بزرگ بھائی جو میرے تھے لطف رحمٰن شاہ
ابھی ابھی وہ ہوئے راہی عدم آباد
یہ تین حج کئے تھے کعبۂ مقدس کے
جو موت آئی تو مدفون ہوئے عظیم آباد
کہاں ہیں شاہ محمد علی و واحد علی
کہ جنکا شغل تھا دن رات ذکر و اوراد
کہاں گئے وہ امیر اکبر طبیب لبیب
تھی علم طب میں جنہیں دستگاہ و استعداد
کہاں ہیں سید شاہ ابوالعلا ہیہات
یہ لاولد گئے دنیائے فانی سے آزاد
قضا کا چل گیا آرہ سر زکریا پر
ہزار چیخے کسی نے نہیں سنی فریاد

نہ کام کر سکی کچھ بھی دعائے عاشورہ
نہ ردِ دعوت و حرز امانی کی اوراد
کہاں ہیں مولوی عبدالوہاب منصف آہ
یہ چل دیئے سنے گا کون اب مری فریاد
رئیس قوم تھے یہ منکسر مزاج بھی تھے
سخی تھے ایسے کہ دشمن کو دیتے تھے بیداد
ہیں اس زمانے میں یوسف، عزیز جو مشہور
یہ دونوں بھائی حقیقی انہی کی ہیں اولاد
نہ روئے کیوں دلِ غمگیں ہمارا اس غم میں
نہ اب وراثت و امداد ہیں نہ اب ارشاد
کہاں ہیں مولوی عبدالحمید پاک خیال
یہ ذی دول تھے اولوالعزم تھے سخی جواد
انہیں کے بیٹے تھے عبدالمجید و عبد رشید
انہیں کے دم سے تھی انڈروس کی بستی بھی آباد
یہ نونہال ریاض حمید تھے دونوں
خزاں کے جھونکے سے کمھلا کے ہو گئے برباد
معین قوم تھے یہ سب رئیس ابن رئیس
انہی کے مرنے سے کاکو ہوا بہت برباد
چراغ خانۂ شیخ الرئیس تھا دادآد
وہ بجھ گیا ہو تار یک خانۂ ارشاد

یہ پڑھ کے آیا تھا لندن سے تھا یہ بیرسٹر
کلام پاک الٰہی بھی اسکو سب تھے یاد

کہاں گئے وہ معزز رئیس وارث علی
کہ جن کے جد و پدر کا تھا گھر جہان آباد

ہوئی جو کاکو میں شادی تو رہ گئے وہ یہیں
یہ تھے محمد یوسف کے لاڈلے داماد

اسی زمانے سے کاکو میں آپ کا گھر ہے
جو آج تک ہے خدا کے کرم سے وہ آباد

جناب مبارک علی ہیں نواب کرامت علی
یہ شیخ وارث علی کے تھے دونوں ہی اولاد

پر دتے آپ ہی کے شیخ عبدالرحماں ہیں
دراز عمر ہو ان کی رہیں جہاں میں شاد

جناب اشرف علی خاں جو تھے نکو سیرت
جو رات دن کیا کرتے تھے اپنے رب کو یاد

رہے نہ شیخ حمید و نہ ہیں الٰہی بخش
بہاریں اپنی دکھا کر گئے عدم آباد

گئے جہان سے قاضی شریع عبدالکریم
بنائی ان کی جو مسجد تھی ہے وہ غیر آباد

طبیب حاذق و اہل کمال و دست شفا
حکیم تھے کہاں احسان انکا رکھو یاد

تھا ان کا نام بھی احسان علی انصاری
بہت سے نسخے کئے تھے انہوں نے خود ایجاد
حکیم اکبر علی عاشق جناب نبی
ہمیشہ کرتے تھے جو حب سے مجلس میلاد
نہ دیکھا آنکھوں سے مولود خواں کوئی ایسا
سنا نہ کانوں نے پیر دیسی آج تک میلاد
کہاں خطیب ہیں عیدین کے طفیل علی
یہ خطبہ پڑھتے تھے ایسا کہ سامعین تھے شاد
انہی کو کہتے تھے دمڑی میاں خواص و عوام
فن حساب و پھکیتی میں تھے بڑے استاد
کہاں موذن مسجد ہیں میر عبد العلی
مزا اذان کا جنکی ہے سامعین کو یاد
کہاں ہیں حاجی و منشی افضل الدین آہ
یہ کس زمین میں چھپے ان پہ کیا پڑی افتاد
کہاں ہیں منشی عبد الرحیم و شیخ کبیر
فن پھکیتی میں یہ دونوں بھی تو تھے استاد
یہ کل کی بات ہے عبد الحلیم زندہ تھے
وہ آج ہو گئے آغوش قبر سے آباد
وہ کیا ہوئے جو تھے احمد حسین اہل دول
پکارتے تھے جنہیں سیٹھ کہہ کے کل افراد

ہیں اس زمیں میں چھپے آہ شیخ فضل حسین
فن حساب میں تھی جنکو پوری استعداد
کہاں ہیں سید مقصود علی و شاہ عطا
جو کچھ بہار یہ دکھلا گئے ہمیں ہے یاد
وہ شیخ عشرت و نصرت حسین و عزت آہ
کہ مغتنم تھے مرے قصبہ میں یہ سب افراد
نہ ہیں بشارت و عبد الصمد نہ عبد کریم
کہاں ہیں واصل علی جنکی تھی زبان آزاد
کہاں ہیں میر علی بخش حاجی حرمین
کہ جنکی عمر تھی گنتی میں زاید از ہشتاد
قبولیت اسے کہتے ہیں تھا یہ حج مبرور
کہ حاجی آج بھی کہلاتی ان کی ہے اولاد
کہاں ہیں میر تبارک حسین و یوسف حسین
کہ دونوں بھائیوں پر جانے کیا پڑی افتاد
کہاں ہیں حافظ و حسام اور وہ صمصام
گئے کدھر کو وہ حیدر رضا و میر استاد
کہاں ہیں میر سخاوت حسین نرم مزاج
وہ نرم باتیں سب انکی ہمیں ہیں ابتک یاد
کہاں ہیں میر عنایت حسین عالی طبع
وہ فارسی میں بھی رکھتے تھے درک و استعداد

کہاں ہیں مولوی الطاف بانی مجلس
وہ مشورہ ہمیں دیتے ہیں اب نہ ظلم کی داد

تھے اک بزرگ مرے مولوی ولی اللہ
جو شفقت ان کی تھی مجھ پر رہے گی مجھ کو یاد

عجب شخص تھے ان کی کوئی مثال نہ تھی
زمانہ کرتا تو ہے ان کی خوبیوں پہ صاد

ملے چلے رہے سب کوئی نہ شاکی تھا
تھے ان کے خلق سے راضی وطن کے سب افراد

عجب بہار کی عتار کاری کر گئے وہ
کہ اہل پیشہ و حکام جسکی دیتے ہیں داد

صلوٰۃ و صوم کے پابند وہ ہمیشہ رہے
خدا کا خوف تھا دل میں رسول کی تھی یاد

یہ چھوڑ کر گئے دنیا میں اک جواں فرزند
کہ جس سے نام بھی روشن تھا گھر بھی تھا آباد

وہ کون مسٹر نور اللہ شاہ بیرسٹر
جو ہر طرح سے تھے لائق سعید و نیک نہاد

یہ ایک سال جئے بعد اپنے والد کے
تمام عمر نہ کی شادی مر گئے آزاد

نہ چھوڑا اس نے صد افسوس اک نشاں اپنا
یہ کیا ستم ہے کہ گھر اسکا ہو گیا برباد

یہ میرا بھائی تھا بازو تھا دوست تھا میرا
امیدیں جتنی تھیں اپنی وہ ہوگئیں برباد
نہ ہیں زیارت و یاور نہ اظہر و کلیب
امام علی و دلاور نہ فرحت و دلشاد
رہے نہ فرخ و جنت نہ وہ تراب علی
انہیں دموں سے ملک ٹولہ تھا بہت آباد
نہ اب وہ ناظم علی ہیں نہ وہ ریاض الحق
نہ ہیں منور و انور نہ طالب اور نہ مراد
نہ شیخ افضل و احسان علی نہ صفدر ہیں
یہ لوگ چل بسے ملک عدم ہوا آباد
جوار رحمت حق میں جگہ ملے ان کو
خلیفہ ہاشم علی تھے ہمارے جو استاد
معین و صفدر و شمس الحق و ظہور و وصی
اجل کے ہاتھوں سے یہ جانیں بھی ہوئیں برباد
گئے عدم کو رہ حج سے شیخ نور حسن
انہوں نے اک نئی مسجد کی ڈالی تھی بنیاد
وہ اک جوان جو محبوب یار تھا میرا
یہ بے نشان جہاں سے چلا گیا آزاد
فصیح نیر کو لیاقت تھی فارسی سی بڑی
سنا ہے لوگوں سے یہ اس زبان کے تھے استاد

نظیر و قادر و قادر رضا و اسد اللہ
علیم و عبد کریم و سلیم سب ہیں یاد

وہ نوجواں جو لائق عزیز تھا محمود
اساتذہ کے تھے اشعار اسکو صدہا یاد

مذاقِ شعر و سخن رکھتا تھا وہ کچھ ایسا
وہ کہتا کچھ نہ تھا لیکن سخن کا تھا نقاد

ہمارے شعروں کی کرتا تھا قدر وہ ایسی
کہ دل سے دیتا تھا بے چین ہو کے داد پہ داد

خطوں میں بھیجتے تھے غزلیں ہم جو اسکے پاس
تو اچھے شعروں پہ کر دیتا تھا وہ صاد پہ صاد

ملازمت کے ذریعے سے تھا وہ دہلی میں
وہیں سے ناگہاں چلنا ہوا عدم آباد

دعا ہے رب سے یہی رفتگاں کے حق میں مری
کہ عاقبت کرے بالخیر سب کی رب عباد

جو لوگ اب بھی ہیں باقی بہت غنیمت ہیں
رہیں یہ زندہ و خوش حال تا بہ یوم تناد

یہ لوگ چل بسے اے حمدؔ تم بھی اب چونکو
وہ آ رہا ہے اجل کا پیادۂ جلاد

تمہارے دل کو جو چھوڑ دیں لو خدا سے لگاؤ
اسی کے ہو کے رہو تم اسی کو رکھو یاد

کہاں ہو ہوش میں آجاؤ اب سنبھل بیٹھو
وہی کرو جو ہے ارشاد حضرت سجاد
انہی کے دست مبارک پہ ہے مجھے بیعت
مرید انکا ہوں میں اور وہ ہیں میری مراد

قطعہ (۲)

بدل کے قافیہ اک قطعہ دوسرا لکھ دو
سمند خامہ کو اے حمد اپنے پھیر ادھر
جو اور باقی ہیں اسمائے رفتگان عدم
تمام ان کو بھی شعروں میں کر دو تم لکھ کر
جناب حافظ اشرف تھے اک بزرگ یہاں
گریاد حق میں کیا زندگی کو اپنی بسر
یہ اہل رشد تھے فردوسیہ طریقہ تھا
مقام رشد آپ کے دربارئے احمد لشکر
بزرگ زادے تھے اک اور سید اسمٰعیل
سدھارے خلد کو ساتھ انکے ہی جناب عمر
محمد [illegible] قریشی تھے جو عبدالرحمٰن تھے
چلا نہ زور قضا سے۔ بچھڑ گئے لڑ کر

رہے نہ شیخ بسا آدن رہے نہ شیخ عوض
یہ اپنے دور میں گزرے ہیں دونوں نام آور
تھے اک رئیس معزز یہاں وجیہ الدین
تھا سارے قصبہ کا کو میں انکا پھیلا اثر
نصیب بگڑا تو پھر ایسا انقلاب ہوا
کچھ ایسی پڑ گئی افتاد ناگہاں ان پر
دعائے بد سے شہ رکن دیں کے ایسا مٹے
کہ باغ بھی ہوا ویراں مکان بھی ہے کھنڈر
نہ قبر کا کوئی ان کی پتا بتاتا ہے
نہ نام لیوا رہا کوئی مر گئے گھر بھر
نہ ہیں ارادت، کاظم علی نہ عبد نعیم
حسن علی ہیں کہاں اور مہر علی ہیں کدھر
نہ میر رحمن رہے جنکے بارہ بیٹے تھے
لطیف حسین کا یہ قول ہے زبانوں پر
امیر علی ہی ہیں زندہ نہ میرا کلو ہیں
گئے سراج حسن بھی تو قبر کے اندر
ہماری آنکھوں نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
جو کچھ سنا وہ لکھا ہے یہ اتنا ہے دفتر
جو میرے وقت کے ہیں واقعات انکو سنو
عجب ہے آئے نہ عبرت تمہیں نہیں سن کر

کہاں ہیں رستم و بدھو، مجید و عبد حکیم
وہ شیخ باسط و سید امیر اب ہیں کدھر
نہ اب تفضل و سوہن رہے نہ اب سبحان
نہ ہیں سلیم و علیم و امیر و میر عمر
نہ میر صفدر و نور الوہاب ہیں نہ ظہور
رئیس دیں ہیں کدھر کچھ نہیں ہے ان کی خبر
امیر علی و تفضل، حفیظ و ابراہیم
حکیم ساجد و سبحان کا غم نہ ہو کیوں کر
حبیب و منشی علی جان اور علی ارشد
فقیر علی ہی ہیں زندہ نہ اشرف و اصغر
گئے جوان ہی احمد رضا جو مخلو تھے
گئے کدھر کو وہ یعقوب کچھ نہیں ہے خبر
علی حسین و نوازش حسین اور الطاف (حافظ)
گئے مصاحب علی اور اکبری بھی کدھر (حاجی)
کہاں ہیں اب وہ محمد حسین و شیخ کریم
جوان ہی تھے کہ دنیا سے کر گئے یہ سفر
وحید و میر ولی احمد و طہارت کو
جو ڈھونڈھئے تو ملینگے نہ قبر کے اندر
سعید و صالح و نیکو چلن امیر حسن
ابو الحسن کا یہ اکلوتا تھا جوان پسر

کہاں گئے وہ محاسب جو تھے علی احسن
سررشتہ میں کھلے بستے ہیں پھیلے ہیں دفتر
کدھر گئے وہ خلیفہ جو میمبر بدھن تھے
تھا گنگے پھڑ ہی کا معلوم ان کو پورا ہنر
رہے امامی و ڈومی نہ اب ہے وہ یعقوب
کہاں ہیں راحت و یوسف وہ مظہر و اطہر
(حافظ) (ڈاکٹر) (جمعدار)
محمد اشرف و وارث امام و شمس الدین
یہ سچ تو ہے کہ ہے انسان کو موت سے نہ مفر
حسن جو حافظ قرآں ہوا تھا اک لڑکا
گیا سنانے کو محراب خلد کے اندر
رشید و بدر حسن اور جلیل و اسمعیل
وہ نوجواں جو محمود تھا نکو منظر
خلیق و اہل و جواں تھے حکیم عبد غفور
مطب تھا بارڈھ میں جنکا بہت ترقی پر
کلام باری کا حافظ جو شمس رحمن تھا
نہ کی جوانی پہ اسکی بھی کچھ فلک نے نظر
چراغ علی و غلام نبی و عارف علی
وہ شیخ عابد و سلطان کی کچھ نہیں ہے خبر
جواں شیخ وزارت حسین تھے جو یہاں
یہ جلسوں ہی میں گئے اپنی زندگی کو بسر

رہے جہاں میں نہ رحمت علی نہ عبدغنی
جوان موسیٰ گیا پھر گئے علی اکبر
رہے نہ میر جمائی نہ میر منوں ہیں
وہ شیخ منگو یحییٰ علی رضا ہیں کدھر
نہ میر سوہن و رستم علی بہاری ہیں
جوان شمسو مراگر کے چاہ کے اندر
نہ میر محسن و قادر رضا رہے نہ حمید (حافظ)
حیات بخش کدھر کو گئے کہیں ہے خبر
نہ میر واہب و وارث علی نہ ہیں واحد
گئے کدھر کو وہ رمضان علی نہیں ہے خبر
نہ میر دھومن و چھکن نہ مدّی و عیسیٰ
ابھی ابھی گیا رحمٰن قبر کے اندر
وہ نوجواں فرید و معین و بو البرکات
خبر نہیں گئے غفار احد وحید کدھر
کدھر گئے وہ جو آندر خلیفہ فن تھے
ہیں لٹکے کھونٹیوں سے ان کے گنگے اور سپر
پٹے بنیٹھی و بانا وہ لکڑیاں تیغیں
مکان ہیں رکھتے تھے ان اسلحوں کو وہ سج کر
نکلتے ٹھاٹھ سے تھے عشرۂ محرم میں
دکھانے کھیل کو تھے اپنے غول کے اندر

سکھا رہے تھے وہ بیٹے کو اپنے معلومات
مگر دکھانے نہ پایا ابھی وہ اپنا ہنر
بڑھا رہا تھا وہ مشق اپنی کھیلتا اچھا
جوان ہی تھا عدم کو چلا گیا کھینچکر
تھا ہونہار پسر انکا ایک غنچ کریم
سکھا رہے تھے اسے وہ جو جانتے تھے ہنر
نہ بھولنے کی جوانی ہے عبد خالق کی
غریب باپ کا اپنے یہ ایک ہی تھا پسر
بزرگ زادے تھے شکر اللہ اور فقر اللہ
یہ دونوں بھائی حقیقی تھے ماہرو کے پسر
ہیں اک بزرگ جنہیں کہتے سب ہیں پیرانجان
مزار خام ہی ہے انکا بستی کے اندر
حسین دنو جواں ہے ہے مجیب رحمٰن تو
ہمارے اخ معظم کا تھا جو نور نظر
جوار حضرت منعم میں قبر اسکی ہے
یہ کاکو سے گیا پٹنہ بلیگ کو لے کر
نیاز علی ہیں نہ واجد کریم راد لادن
نہ ہیں حمایت و فرحت گئے یہ لوگ کدھر
گئے کلیم و وراثت کریم دنیا سے
ملک ظہور و بشارت حسین بھی گئے مر

طبیب دست شفا تھے میاں حکیم ظہور
اجل کے ہاتھوں گئے وہ بھی قبر میں کھپکر

وہ نوجواں جو الیاس ایک لڑکا تھا
شباب پر تھا کہ دنیا سے کر گیا وہ سفر

عجیب موت ہوئی حاجی عبدباری کی
اجل نے کھینچ لیا ان کو چاہ کے اندر

نکالا نعش کو لوگوں نے تو یہ حالت تھی
کہ دونوں پاؤں تو اوپر تھے اور نیچے سر

جناب شاہ غزالی تھے اک بزرگ یہاں
کئے جو صبر و توکل سے زندگی کو بسر

یہ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے دعا تعویذ
یہی تھی رزق کی صورت دیا تھا حق نے اثر

مرے چچا بھی تھے ماموں بھی تھے قرابت میں
بڑے خلوص سے ملتے تھے روز وہ آکر

جگر خراش شرافت حسین کا غم ہے
ابھی ابھی جنہیں رکھا ہے قبر کے اندر

فرید شاہ سے ملنے کو آئے تھے گھر سے
قضا جو آئی تو مہلت کہاں ملی دم بھر

گئے وہ ایسے کہ سونا ہے جلسۂ احباب
شگفتہ طبع تھے ہنستے ہنساتے کچھ کہہ کر

دلوں سے یاد دوں کے جاتی نہیں ہے یاد انکی
خلوص رکھتے تھے سب سے مزاج تھا بے شر
مذاق شعر و سخن کا رہا ہمیشہ انہیں
وہ کہتے کچھ نہ کہتے لیکن سمجھتے تھے بہتر
گل ریاض ریاست جو عبد رحمٰن تھے
سلیم طبع و حلیم و خلیق و خواں گستر
تھا نفع بخش وجود ان کا اس زمانے میں
کسی کو ذات سے انکی نہ پہنچا کوئی ضرر
کو سے عدم ہوئے راہی وہ اس جہاں سے آہ
اعزہ اور احبا کو رنج و غم دے کر
جوار رحمت حق میں جگہ ملے ان کو
یہی دعا ہے دلی ان کے حق میں شام و سحر
خلوص جن سے تھا جتنا نبایا آخر تک
نہ آیا فرق کبھی وضع داری میں تل بھر
بہت سی خوبیاں مرحوم کی تھیں فطرت میں
بیان کیا کروں میں ہے بیان سے باہر
دل و دماغ دیا تھا خدا نے کچھ ایسا
مثال ڈھونڈھنے سے لوگ پائینگے کم تر
کلام لوگوں کا سنتے تھے تھا مذاق سخن
سمجھ کے شعروں کو دیتے تھے داد بھی بہتر

جو صلح جو تھے سخاوت حسین پاک خیال
ملے جلے رہے سب سے مزاج تھا بے شر
منیر میں رہے وہ مدتوں مدرس بھی
وظیفہ ملتا تھا جو انکو قانع تھے اس پر
منیری اس لئے کہتے ہیں انکو اہل وطن
مکان اپنے جو آتے تو رہتے تھے کم تر
جناب میر مصاحب علی کے بیٹے تھے
حضور تھر کے تھے یہ مرید لخت جگر
سخاوت اور حمایت ملک کفایت بھی
گئے عدم کو یہ چوتھ سیاد اکے تینوں پر
جناب حضرت احمد براق و حضرت سام
تھے دونوں حضرت مخدوم شمس دیں کے پسر
وہ صدر دیں جو حاجی بھی تھے فقیر بھی تھے
انہیں کے بیٹے تھے اک بدر دیں نیک سیر
کہاں ہیں شیخ مبارک علی بتا دو ہمیں
نہیں ہے شیخ عنایت حسین کی بھی خبر
جو ان نظامی پسر تھے شہہ غزالی کے
ملازمت کے ذریعے سے رہتے تھے باہر
سفر ہی میں تھے کہ ناگاہ ان کی آئی موت
علاج کا بھی تو موقع نہیں ملا دم بھر

ابھی جواں ہی تھے ہائے ہائے ممدوحی
کہ انتقال کئے ریل گاڑی سے کٹ کر
اور سیر جو تھے عبدالغفور صد افسوس
یہ لاولد گئے کوئی نہ بنت ہے نہ پسر
کچھ ایسے پردے میں جا کر چھپے ہیں واحسین
جو ڈھونڈئیے تو ملینگے وہ اب نہ تا محشر
وطن سے ہو کے جدا مولوی عبدالحق
بسے تھے مدتوں سے خاص پچرہ میں جا کر
وہ کوچ کر گئے افسوس دار فانی سے
جگہ دے خلد میں اب ان کو داور محشر
کلام باری کا حافظ حفیظ رحمن تھا
جوان ہی تھا کہ دنیا سے کر گیا وہ سفر
یہ میرے اخ معظم کا چھوٹا لڑکا تھا
قضا نے کھینچ لیا اسکو قبر کے اندر
سدھارے خلد میں مقصود علی بھی دنیا سے
نہ ان کی بیٹی ہی کوئی ہے اور نہ کوئی پسر
گئے جہاں سے یوسف حسین صد افسوس
کہ ان کے مرنے کا ہے بستی میں ہر اک پہ اثر
ترقی خواہ وطن تھے رئیس ابن رئیس
مثال اپنی نہ رکھتے تھے بستی کے اندر

لکھا ہے ان کے لئے ایک قطعہ پر غم
اسی کو مرثیہ انکا سمجھ لیں سب پڑھ کر
تھے شب کو سوئے غذا کر کے شیخ عبداللہ
وہ مردہ پائے گئے ہائے ہائے وقت سحر
ہنوز تھے جو ولایت حسین جلسے کے
گئے تھے مکہ لیس حج کیا جہاں سے سفر
مدینہ پاک کے جانے کا قصد رکھتے تھے
مگر نہ جا سکے - مکے میں رہ گئے مر کر
جناب مولوی عبدالعزیز حاجی آہ
وطن کے حج و زیارت سے آرہے تھے گھر
کہ بمبئی میں قضا نے پکڑ لیا ان کو
کہا کہ میں تو نہیں جانے دونگی اب گھر پر
خدا کے حکم سے لینے کو آئی ہوں تم کو
مرا یہ کام ہے مہلت نہ دیتی ہوں دم بھر
اٹھو کمر کو کسو اپنی میرے ساتھ چلو
کرو نہ دیر بلاتا ہے قاضی محشر
گئے وہ دن کہ شوکت و کمال اللہ میں
گیا جوان ابو نصر ہائے ہائے کدھر
لطیف بیچو کے بیٹے تھے مولوی امجد
بچھڑتے ابن جہانگیر و بدر نسبے تھے سب

یہیں تو رہتے تھے پیشہ ملازمت کا تھا
کسی سبب سے مگر باڑھ میں بسے جا کر
کبیر سن تھے بصارت نہیں تھی کچھ باقی
گئے عدم کو انہیں بخشے داور محشر
تھا ان کا مسکن آبائی تو سنگریانواں
ہوئی جو شادی یہیں رہ گئے بنا کر گھر
وہ نوجواں جو محبوب بھانجا تھا مرا
پڑھی تھی اس نے طبابت بھی لکھنؤ جا کر
مرض کچھ ایسا ہی اسکو ہوا کہ بچ نہ سکا
دکھا سکا نہ کسی کو بھی اپنا وہ جوہر
ہوئی تھی ایک جو اولاد وہ بھی تو نہ بچی
غریب بی بی نے بھی تو کیا عدم کا سفر
کوئی نشان نہیں ہائے بے نشان گیا
خطا معاف کرے اسکی داور محشر
رہے نہ شاہ پیادے نہ اب مبارک ہیں
تلاش کرنے سے ملتے نہیں گئے یہ کدھر
گئے جوان ہی دنیا سے آہ آل نبی
جہانے کے تھے شفاخانہ میں یہ کمپونڈر
ابو محسن جو طبابت میں تھے بہت مشہور
مرض نے انکو بھی ہونے نہیں دیا جاں بر

حلیم کا جو وہ لڑکا کلیم تھا ہے ہے
نہ بند کھلنے پایا عروسی کا سہرا ابھی سر پر
اعزہ فکر میں تھے یہ کہ بیاہ اسکا ہو
مگر وہ عروس لحد سے لپٹ گیا جا کر
اخ طریقت بن منشی مظاہر حسن
بوضع ما سبقاں عمر خویش کرد بسر
یہی دعا ہے ہر اک کے لئے مصنف کی
کہ خلد میں دے جگہ سب کو داور محشر
گئے ہیں جس طرح یہ لوگ گذر دنیا سے
کروگے تم بھی اسی طرح اس جہاں سے سفر
وہ وقت آ گیا سمجھو نہ دور کچھ اسکو
نگاہ غور سے دیکھو تو ہے وہ پیش نظر
اجل کا وقت کسی کو نہیں ہے کچھ معلوم
جب آتی ہے تو یہ مہلت نہ دیتی ہے دم بھر
خدا کو بھولے ہو رہتے ہو محو دنیا میں
یہ کیا خیال ہے کچھ سوچ تو ہے ہوش کدھر
تمام عمر تو بے خوف معصیت میں رہے
خدا کے واسطے اب تو رکھو خدا سے ڈر
بڑھاپا آ گیا لہو و لعب کو اب چھوڑ دو
جو کام کرنے کا ہے وہ کرو تو ہے بہتر

رہو گے خواب تغافل میں تم پڑے کب تک
اٹھو کمر کو کسو باندھو اپنا اب بستر
یہ دونوں قطعوں کا لکھنا نہیں تھا کچھ آساں
مگر میں لکھ گیا تھا فیض حضرت اکبر
مگر یہ عرض ہے خدمت میں اہل فن کے مری
کہ جو عیوب سخن ہیں نہ ڈالیں ان پہ نظر
نہ اہل علم نہ اہل زباں نہ شاعر ہوں
زباں تیغ کا اپنی دکھاؤں کیا جوہر
ہے بھول چوک تو انساں کے واسطے لازم
خطا سے خالی نہیں آج تک ہے کوئی بشر

رہے ترقی پہ یا رب یہ کاکو کی بستی
زوال کچھ نہ ہو جب تک ہے دور شمس و قمر

قطعہ (۳)

بیان کیا کیا کروں تو قیر کاکو
خدا نے اسکو بخشی ہے جو عزت
یہیں سوتی ہیں بی بی پاک دامن
کمال و فضل کی ہے جن سے شہرت

لیا مولانا نے ان سے زمیں کو
دیا بدلے میں اس کے ان کو جنت
غلط یہ واقعہ ہرگز نہیں ہے
بہت مشہور ہے یہ تو حکایت
ہوئے مدفون دونوں اس زمیں میں
ملی دونوں ہی کو دنیا میں جنت
زمین اور چیز ہو میں گرد اس کے
ہے مولانا کے ورثا کی حقیقت
پرانی بستی ہے دنیا میں مشہور
مزارات بزرگاں ہیں بکثرت
عصائے خواجۂ اجمیر بھی ہے
رجب میں جس کی ہوتی ہے زیارت
یہیں ہیں جد و آبا بھی ہمارے
ملی جن کو ازل ہی میں سیادت
خدا نے دی ہے ان کو دولت فقر
چلی آتی ہے مدت سے مشیخت
یہ ہے میرا وطن میں اہل اسی کا
نہ کیسے اس جگہ سے ہو محبت
کتاب الرمغان کا گو میں مصنف
لکھی ہے پوری حالت بالصراحت

مؤلف اس کا حمید کاکوی ہے
اسی کی ہے یہ برسوں کی ریاضت
دعا ہے حمید مسکیں کی خدا سے
بنے اس سرزمیں میں اسکی تربت
رہیں آباد و خوش شکان کاکو
رہے قائم یہ بستی تا قیامت
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
نہ آئے گرد اس کے کوئی آفت

قطعہ (۴)

خوش ہمیں آتی ہے کچھ ایسی فضائے کاکو
کہیں لگتا نہیں دل اپنا سوائے کاکو
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ادائے کاکو
کر گئی گھر ہے مرے سر میں ہوائے کاکو
آیا ہے تخت رسالت یہاں مشہور ہے یہ
دیکھ لیں اہل نظر آکے وہ جائے کاکو
ہے عصا خواجہ اجمیر کا اس بستی میں
ساتھ اپنے کوئی درویش ہی لائے کاکو

روضۂ حضرت مخدومہ کی دلکش ہے بہار
اس نے تو اور بڑھا دی ہے فضائے کاکو

پاکدامن ہے لقب نام تو ہے بی بی کمال
آپ کی ذات سے ہے نشو و نمائے کاکو

پیر جگجوت کی یہ دختر نیک اختر ہیں
آپ کے نور سے پھیلی ہے ضیائے کاکو

آپ کا فیض و کرامت ہے برابر جاری
دور ہی رہتی ادب سے ہے بلائے کاکو

ایک مخدوم کا ہے اور بھی اس جا روضہ
شمس دیں نام دوانق سے یہ آئے کاکو

آپ کی آل سے اولاد بکثرت ہیں یہاں
ان میں اک یہ بھی ہے ناچیز گدائے کاکو

اور بھی تو ہیں بزرگوں کے مزارات یہاں
پوچھے نام تو اک اک کا بتائے کاکو

اہل علم اہل فنون اہل کمال و فقرا
گذرے ہر دور میں ہیں بہ سکنائے کاکو

ہوتی ہے اسکی قدامت تو اسی سے ثابت
کیک راجا جو تھا کی اس نے بنائے کاکو

شیخ و سادات و ملک ہیں یہاں آباد بہت
لائق حمد و ثنا ہیں شرفائے کاکو

عاقل و زیرک و طباع و ذہین و گویا
فضل ایزد سے یہ سب ہیں سکھائے کاکو

یہ بڑا کنواں یہاں کا ہے کہ ہے چشمۂ خضر
اس کا پانی ہے کہ ہے آب بقائے کاکو

اک کنواں اور بھی تو شیریں ہے تالہ کے قریب
پانی پیتا ہے اسی کا یہ گدائے کاکو

خانقاہیں نہ رہیں مدرسہ پہلا نہ رہا
کوئی آتا جو پوچھے تو بتائے کاکو

دور اگلا نہ رہا اب وہ پہلا نہ رہا
وہی اب کر جو ترے سینگ کائے کاکو

اگلے گذرے یہ لکھا ہے خوبیوں سے یہ محمود
کیا کروں اپنی زبان سے میں ثنائے کاکو

عیب صحبت ہے تو گرتیوں کو نہ کیونکر چھیڑوں
ہر جفا کو میں سمجھتا ہوں وفائے کاکو

بیٹھ کر گھر میں ترا رکھتا ہے دانہ پانی
حمد کیونکہ نہ تری خیر منائے کاکو

آفت دہر سے اسکو تو بچا یا رب
رات دن یہ ہے دعا میری برائے کاکو

سربلندی و ترقی پہ ہمیشہ تو رہے
کچھ نہ زوال اور ضرر تجھکو نہ آئے کاکو

اک نئی روز دکھاتا رہے یہ اپنی بہار
کوئی جھونکا نہ خزاں کا کبھی کھائے کاکو

نخلِ امید ہمیشہ رہے اسکا سرسبز
ثمرِ خوش مزہ ہر اک کو کھلائے کاکو

جزوِ ایماں ہے اگر حبِ وطن انساں کا
حمد پھر کیسے نہ ہو مدح سرائے کاکو

قطعہ (۵)

جدِ اعلیٰ مرے سیو دھا سے جو آئے کاکو
ان کو بھی بھا گئی کچھ اتنی ادائے کاکو

عبدرحمٰن بہ لقب حاجی محمد ہیں آپ
یہیں شادی ہوئی پھر گھر بھی بنائے کاکو

زندگی بھر تو رہے یادِ خدا میں مشغول
تھے وہ دراصل یکے از فقرائے کاکو

یہیں تو آپ کا بھی مرقد نورانی ہے
باغ ڈیہی سے جو مشہور ہے جائے کاکو

آپ کے پوتے ہیں مخدوم حبیب اللہ شاہ
گذرے ہیں آپ یکے از عرفائے کاکو

آپ کو فضل و تقدس جو خدا نے بخشا
کیا کسی سے میں کہوں کیا کیا بتاسئے کاکو

آپ جد بھی ہیں مرے مرشد روحی بھی ہیں یہ
مستفیض آپ کا ہے یہ بھی گدا سئے کاکو

پہنچا مخدوم جہاں سے انہیں روحی فیضان
کان میں میرے پڑی ہے یہ صدا سئے کاکو

آپ کے چند کرامات ہیں مشہور یہاں
جانتے اب بھی ہیں جن کو سگ سئے کاکو

باعث فخر اب وجد ہے وجود اقدس
باعث نازش و توقیر گدا سئے کاکو

آٹھ پشتوں سے ہوں آباد میں اس بستی میں
کیوں نہ راس آئے مجھے آب ہوا سئے کاکو

دولت دہر کو اگلوں نے مرے سمجھا خاک
فخر اس کا ہے مجھے میں ہوں گدا سئے کاکو

کور آنکھیں ہیں مری سرمے کی تاثیر دکھائے
ان میں کچھ خاک تری اڑ کے جو آئے کاکو

ایسی ہی ساکن و مسکن میں تو ہے ربط بہم
کہیں جاؤں بھی تو پھر جلد بلا سئے کاکو

جد و آبا کا ہے مسکن، مرا مولد ہے یہی
دل و جاں سے نہ ہو کیوں حمد فدا اسے کاکو

فرد

جد اعلیٰ تھے کاکو کے داماد
آٹھ پشتوں سے ہوں یہیں آباد

عرض مرتب

کاکو اپنے رقبے کے لحاظ سے ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں ہر ملک و ملت کے لوگ آپس میں خلوص و الفت سے زندگی گزارتے رہے۔ اس اتفاق و اتحاد کا نتیجہ تھا کہ بستی خوش حالی، فارغ البالی اور ترقی کے راہ پر گامزن تھی۔ زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ خیالات پلٹا کھاتے ہیں۔ ایک دور ایسا آیا کہ نہ وہ اتحاد رہا نہ اتفاق۔ آپس کی کشاکش اور خود رائی نے ترقی کی راہیں مسدود کر دیں۔ فلاح و بہبود کے جو ذرائع تھے وہ معرض خطر میں پڑ گئے۔ انہی جذبات سے متاثر ہو کر مرتب کتاب ہذا (عطا کاکوی) نے ارباب کاکو کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل منظوم

ما نذرانہ پیش کئے تھے تاکہ پھر آپس کے مناقشات دور ہوں۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب میں اسکی شمولیت کر دی جائے تاکہ یادگار رہے۔

عطا کاکوی

ارباب کاکو سے

گل ملت سے ہے تزئین دیار کاکو
ہے اسی پھول کی نکہت سے بہار کاکو

ایک دن وہ تھا کہ تھی اس کی خزاں رشک بہار
اب ہوا وقف خزاں لطف بہار کاکو

پھر اسی طرح امید آئے شگفتِ ملت کی
اس طرح برسے کہ دھل جائے غبار کاکو

بزم عشرت ہو وہی دور مئے جام وہی
پھر تو ہی رنگ ہو وہی رنگ بہار کاکو

ملت مے ہو سرشار ہر اک پیر و جواں
جام برکت ہو ہر اک بادہ گسار کاکو

سب جو مل جل کے پئیں ایک ہی مے خانے سے
پھر نہ اترا ہے نہ اترے گا خمار کاکو

دل سے کانٹے جو نکل جائیں عداوت کے تو پھر
اشک گلزار نہ ہو کیوں حسن رخسار کاکو

جو ترقی کی ہیں راہیں انہیں جب اپنائیں
کیوں نہ ہو سارے زمانے میں وقار کاکو

دست گل چیں رہا مصروف جو اس گلشن میں
پھر تو دو پھول کو ترسے گا مزار کاکو

[illegible]

تعلیقات

(قطعہ اوّل)

مصنفِ آثار کاکو نے دو منظوم قطعوں میں کاکو کے اگلے دور کے باشندوں کا تذکرہ مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کو کاکو کی منظوم داستان سمجھنا چاہیئے۔ ان میں بہتیرے ایسے ہیں جو مصنف سے بہت پہلے گذرے ہیں مگر ایسے لوگ بھی ہیں جو مصنف کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔

تین قطعوں میں اکثر نام ایسے ہیں جن کا تفصیلی ذکر کتاب ہٰذا میں ملے گا مگر بہتیرے ایسے بھی ہیں جن کے متعلق کوئی واقفیت بھی نہیں۔ اگر مصنف خود ان کے بارے میں کچھ لکھ جاتے تو ان کی زندگی کے کچھ گوشے اجاگر ہو جاتے۔ مرتب کو افسوس ہے کہ یہ کام پہلے نہ ہو سکا اور اب کوئی ایسا معمر شخص نہیں جو بتا سکے۔

قافیہ کے ساتھ اتنا طویل قطعہ لکھنا مصنف کے قلم کا اعجاز ہے۔ یہ قطعہ گویا مصنف کاکو کی منظوم داستان ہے۔ مرتب نے کوشش کی ہے کہ اپنی معلومات کی بنا پر چند گوشوں کی مختصر تشریح ہو جائے کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہو جانا بہر حال بہتر ہے۔

صفحہ ۲۱۹ — بستی کی قدامت اور اس کی تاریخی اہمیت کے لئے خود کتاب کا صفحہ ۱۷ اور ۲۵ نمبر صفحہ دیکھیے۔

〃 تخت پاک: — اس کے متعلق ص ۲۶ ملاحظہ ہو۔

〃 خواجہ اجمیری کا عصا: — اس کا ایک ٹکڑا ملک محمد عثمان کے پاس تھا۔ اور ہر سال اس کی زیارت ہوتی تھی۔ اب ان کے ورثا کراچی اور لاہور چلے گئے۔ اور یہ تبرک بھی ساتھ لیتے گئے۔

روضۂ بی بی کمال:۔ اس کی تعمیر فیروز شاہ تغلق کے حکم سے ہوئی۔ بادشاہ کاکو ہوتے ہوئے بہار شریف گیا تھا۔

صفحہ ۲۲۰ حضرت جگجوت:۔ محمد شہاب الدین لقب جگجوت۔ دیکھئے صہ ۲۲

" لنگر زمین:۔ مخدوم سلیمان لنگر زمین۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے صہ ۸۹

صفحہ ۲۲۱ شاہ شمس الدین:۔ مخدوم شمس الدین دوانقی حالات صہ ۱۲۶ پر دیکھئے

" حاجی محامد:۔ کالو، مانو، رومی۔ مصنف کے اجداد حالات صہ ۱۳۶ تا صہ ۱۴۰

" مخدوم شاہ حبیب اللہ، کلیم اللہ، اہل اللہ:۔ حالات صہ ۱۴۱ تا صہ ۱۵۰ میں دیکھئے

" تمیم اللہ شاہ امداد:۔ حالات صہ ۱۵۱ تا صہ ۱۵۴

" ڈیہنی باغ:۔ مصنف کے خاندانی بزرگوں کی ابدی آرام گاہ

صفحہ ۲۲۲ بقا نگر:۔ اطلاع صہ ۸۵ پر ملے گی۔

" شاہ عبد الغنی:۔ حالات دیکھئے صہ ۱۲۱ میں۔

" رٹھیا:۔ مقام قبرستان۔

" علی اکبر شاہ:۔ صہ ۱۰۲ پر دیکھئے تفصیل

" رکن الدین:۔ صہ ۹۶ " "

" قیام الدین:۔ صہ ۹۹ " "

" اسد اللہ:۔ صہ ۹۵ " "

صفحہ ۲۲۳ شاہ باگ:۔ صہ ۱۰۵، علی ارشد صہ ۱۰۶ مبارک شاہ صہ ۱۰۴

عزیز کوی:۔ صہ ۹۳، ابراہیم:۔ صہ ۹۹، سیاح:۔ صہ ۱۰۳

موہان:۔ ایک مرتفع سرزمین کاکو بستی سے دکھن خزانہ آب کے کنارے واقع

سہ۔ حاجی سلیمان:۔ صہ ۱۰۳، شاہ ارزانی:۔ صہ ۱۰۵، ماہرو:۔ صہ ۱۰۷

خواجہ عبدالقدوس اسلم :- ص ۹۸

صفحہ ۲۲۴ خانقاہ مجیبی، پھلواری : شرح فصوص الحکم کے متعلق شاہ بدرالدین

" " رحمۃ اللہ علیہ سے مصنف کو معلوم ہوا۔

" " شاہ محمد ص ۱۶۳، ملا وارث علی ص ۱۱۳، مردان علی ص ۱۱۵، شاہ علی اکبر ص ۱۰۳

صفحہ ۲۲۵ شاہ تبارک حسین ص ۱۵۵، شاہ حسین ص ۱۵۹، شاہ مبارک حسین ص ۱۶۳

" ۲۲۶ وحید :- وحید الہ آبادی استاد شاہ اکبر دانا پوری و اکبر الہ آبادی

شاہ کمال خان بہادر ص ۱۶۴

" ۲۲۷ علی حسین ص ۱۲۲، احمد و میاں احمد ص ۱۲۳، شاہ حمید ص ۱۲۴

شاہ فرید ص ۱۲۵، شاہ جمیل ص ۱۲۲، عبدالرحمان ص ۱۶۳

شاہ جلال ص ۱۶۹،

" ۲۲۸ شاہ لعل ص ۱۴۹، فضل رحمان ص ۱۶۹، لطف الرحمن ص ۱۶۱

شاہ محمد علی، واحد علی، امیر اکبر، شاہ ابوالعلا، شاہ ذکریا۔ حالات ص ۱۱۶

تا ص ۱۱۹

" ۲۲۹ عبدالوہاب، مولوی یوسف حسین، مولوی عبدالعزیز ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۱

عبدالمجید، عبدالرشید، یہ دونوں بھائی شاہ قدوس ہمارے جد کا کوئی

تعلق تھا۔ شیخ الرئیس لقب شیخ عبدالرحمن رئیس آنریری مجسٹریٹ۔

" ۲۳۰ داؤد۔ مسٹر داؤد، بار ایٹ لا، پسر شیخ عبدالرحمن

" ۲۳۱ عبدالرحیم، شیخ کبیر، عبدالحلیم، دیکھئے ص ۱۲۹

" ۲۳۲ اس صفحہ پر جتنے نام آئے ہیں ان کے متعلق انشاءاللہ آثار کاکو حصہ دوم

میں حالات بیان کئے جائیں گے بشرطیکہ اطلاع حاصل ہو۔

صفحہ ۲۳۳ مولوی الطاف علی بانی مجلس، دیکھئے صفحہ ۶۹ (اخوان الصفا)

ولی اللہ، نوراللہ شاہ :- شاہ ولی اللہ محقق ساکن مظفرپور بہار کو میں سکونت اختیار کر لی۔ مصنف آثار کا کوٹھا ان ہی کا پختہ بنگلہ ان کے انتقال کے بعد خرید لیا۔ ان ہی کے بیٹے مسٹر نوراللہ شاہ بار ایٹ لا تھے۔ فارسی کے اچھے شاعر مجموعہ کلام "بادۂ ساغر" چھپ گیا ہے۔ مصنف کے بڑے گہرے دوست اور شفیق ساتھی تھے۔

" ۲۳۴ صفدر :- ملک صفدر حسین کے پوتے حافظ ظہیر اور ان کے بیٹے ملک محمد ابراہیم جو کراچی چلے گئے۔ صاحب اولاد ہیں۔

شمس الحق :- ان کے بیٹے ملک محمود الحق اور ڈاکٹر صلاح الدین (پیر بہت عمدہ بناتے تھے)

صفحہ ۲۳۵ محمود :- مولوی عبدالعزیز کے فرزند اکبر۔ ان کے مضامین مخزن میں چھپے ہیں انشائیہ اچھا لکھتے تھے۔ شادی منیر شریف میں ہوئی تھی۔

قطعہ دوم

(اس قطعہ میں اشعار کی تعداد ۱۳۲ ہے۔ یہ طویل قطعہ بھی مصنف کی قدرت کلام کا شاہد ہے)

صفحہ ۲۳۶ امیر شہر دریا :- خانقاہ مخدوم شرف الدین بہاری کے سجادہ نشین خاندان بلخ سے تھے۔ فارسی کے صاحب دیوان شاعر۔

عبدالرحمٰن۔ ان کے حالات صفحہ ۱۲۷ میں ملاحظہ ہوں۔

" ۲۳۷ وجیہ الدین و رکن الدین صفحہ ۹۶

صفحہ ۲۳۹ امیر حسن :- شیخ ابو الحسن کے نوجوان بیٹے۔ جوانی میں مرے۔ ایک لڑکا
غلام صمدانی بہت ہونہار اور بستی کے ہمدرد، افسوس یہ بھی چل بسے
چند اولاد ہیں۔

" ۲۳۹ حکیم عبد الغفور۔ مولوی امجد (صفحہ ۲۴۶) کے داماد۔ ان کے لڑکے
اظہار (باڑھ) اختر (حیدرآباد) عبد المنان سنجر۔ مولانا عبد القدوس۔

" ۲۴۰ حبیب الرحمٰن ولد شاہ لطف الرحمٰن و برادر حقیقی شاہ حفظ الرحمٰن
کم سنی میں مرے۔

" ۲۴۱ الیاس۔ فرزند مولوی سید محمد ابراہیم۔ جوانی میں انتقال کیا۔

حاجی عبد الباری :- یہ خود حاجی نہ تھے۔ باپ حاجی تھے مگر حج ایسا مقبول
ہوا کہ نسلاً بعد نسلٍ اولاد حاجی کہلاتی ہے۔ ان کے بیٹے حاجی منعم ان کے
بیٹے حاجی رابع۔

" ۲۴۲ شاہ غزالی۔ صفحہ ۱۱۹

ملک شرافت حسین :- بڑے باغ و بہار اور سخن شناس تھے۔ مصنف
نے چاہ نامہ انہی کی فرمائش سے لکھی۔
ان کے صاحبزادے ماسٹر جعفر امام علم دوست، سخن شناس اور
ہر دل عزیز تھے۔ کراچی چلے گئے۔

" ۲۴۳ عبد الرحمٰن، شیخ الرئیس آنریری مجسٹریٹ۔ خوش کلام رس۔ شاعر،
سخن فہم اور بڑے کروفر کے رئیس تھے۔ سکا گوں کے لئے باعث فخر۔ ان کے
صاحبزادے شیخ داؤد مرحوم کے داماد شیخ نسیم وضع جنہ کراچی گئے
اور وہیں انتقال ہوا۔

صفحہ ۲۴۴ سخاوت حسین:۔ ان کے بیٹے مولوی فضل الرحمٰن۔ کاکو مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ پھر بحیثیت اسٹیٹ کے سکریٹری۔ ان کے بیٹے مولوی

" مجیب الرحمٰن (ہیڈ مولوی جہان آباد اسکول)

" " احمد براق۔ حضرت سام (دیکھئے ص ۱۲۷)

" " نظامی:۔ شاہ نظامی (دیکھئے ص ۱۲۰)

صفحہ ۲۴۵ حفیظ الرحمٰن پسر شاہ لطف الرحمٰن:۔ قاضی عبدالودود کے حقیقی ماموں۔ ان کے بیٹے نور الرحمٰن، ریاض الرحمٰن دختر (زوجہ شاہ نجم الدین رجسٹرار کراچی یونی ورسٹی)

" " یوسف حسین ص ۱۳۰

صفحہ ۲۴۶ عبدالعزیز ص ۱۳

مولوی امجد:۔ قیام باڑھ میں تھا۔ دیکھئے تعلیقات (ص ۲۳۹)

گزارش

از

سید شاہ منظور الرحمن اختر کاکوی پسر او سط حضرت حمد کاکوی

اس کتاب کو حضرت والد ماجد سید شاہ غفور الرحمن حمد کاکوی نے بڑی محنت توجہ اور بہت رغبت سے لکھنا شروع کیا تھا لیکن خود حضرت بی بی کمال بنت مخدوم شاہ شہاب الدین پیر جگجوت کے خاص حالات معلوم نہ ہو سکے۔ اس لئے دل گرفتگی رہی۔

اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ یہ پہلا حصہ ہے۔ بقیہ حصوں کی تکمیل کے بعد دوسرے مشاغل کی طرف توجہ رہی، اس لئے پہلا مسودہ جس میں بہت کچھ حوالے، سفینوں کی نقلوں میں جو حالات بزرگوں کے تھے وہ دیمک کی نذر ہو گئے۔

مصنف کو اس کا سخت صدمہ ہوا اور دل چھوٹ گیا۔ لوگوں نے توجہ دلائی تو پھر نئے سرے سے ان کو مرتب کیا۔

یہ بھی مصنف کے ذہن و دماغ کا کمال تھا کہ یادداشت کی بنا پر حالات مع حوالہ جات ترتیب پا گئے۔

حضرت بی بی کمال قدس سرہا کے حالات زندگی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا ہے کہ ظاہری کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جس پر ان کی سوانح کی بنیاد قائم کی جائے لیکن انسانی خدمت میں صرف مادیت ہی کا ایک چیز نہیں بلکہ روح کا لگاؤ بھی ہے اور بدرجہ اتم ہے اس لئے ظاہر سے قطع نظر کرکے آپ نے باطن کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کی ذات سے باطنی فیوض برابر حاصل ہوتے رہے اور آج بھی جاری ہے جو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے ایک زمانے سے ابتوہ کثیر کاکو کی درگاہ میں حاضر ہوکر اپنے درد کا مداوا پا رہا ہے اور اس مادیت اور سائنسی دور میں آج بھی ہے۔ اس نقطۂ خیال سے آپ کی باطنی خدمت ہی بڑی خدمت ہے اور یہی کارنامہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔

اہلِ باطن اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ حضرت بی بی کمال قدس سرہٗ روحانیت کے اعتبار سے کس اوجِ کمال پر ہیں۔ میرے خیال ناقص میں صوبہ بہار کی کسی قدیم سے قدیم درگاہ میں بھی مریضوں زائرین اور حاجت مندوں کی آمد کا اتنا سلسلہ نہیں رہتا جتنا کاکو میں ہے۔

بہرحال والد مرحوم کے وصال کے بعد ہم تینوں بھائیوں کے مختلف الغیام ہونے کے باعث مصنف کا جو کچھ سرمایہ علمی و تصنیفی تھا وہ نوکروں کے حوالہ رہا بعد کسی نے ان کو غائب کر دیا۔ ایک نسخہ جو اصل مسودہ نہیں تھا بلکہ اس کی نقل ہے کسی تے بنئے کی دوکان پر بیچ دیا۔ اور اتفاق سے اسکو سید محمد حسن الدین صاحب کاکوی نے اس بنئے سے حاصل کیا۔ اس تصنیف کے علاوہ اور چیزیں بھی اور جو کچھ بھی مصنف کی تخلیقات ہیں

وہ سب محفوظ ہیں اور انشاء اللہ وقتاً فوقتاً منظر عام پر لائی جائیں گی
اس کتاب کے علاوہ آپ کا ایک ضخیم قلمی کلیات بھی ہے جس میں غزلوں
کے علاوہ مثنوی، رباعی، قطعہ اور مختلف اوقات کی کہی ہوئی نظمیں
ہیں یہ سب غیر مطبوعہ ہیں سوائے اس کے کہ ایک مسدس بنام "جیالے ناصر"
میرے اہتمام اور خرچ سے بزمانہ طالب علمی چھپ گیا تھا۔ اور بھی چند
چیزیں مختلف موقعوں پر ابینچ پٹنہ اور دیگر گلدستوں میں چھپی ہیں۔

آپ شعر و شاعری کے علاوہ مسند رشد و ہدایت پر بھی فائز تھے
آپ کو شرف بیعت و اجازت و خلافت حضرت شاہ سجاد علیہ الرحمۃ
سجادہ نشین خانقاہ داناپور سے حاصل تھا۔ اور تعلیم فقرہ سلوک نیز اصلاح
اشعار حضرت شاہ اکبر رحمۃ اللہ دانا پوری سے تھا۔ اوقات زندگی کا زیادہ
تر حصہ ورد و وظائف میں صرف ہوتا تھا۔ بزرگان دین سے نہایت عقیدت
اور شیفتگی رہی اور روحانی فیوض حاصل ہوتے رہے۔ گرچہ خلافت
بھی مگر مرید کرنے کا شوق نہ تھا۔ جب کسی نے مجبور کیا تو اسکو بیعت لے لی۔
آپ نہایت ہی با وضع، پختہ خیال، قدامت پسند تھے۔ خودداری کے
ساتھ ساتھ بڑے ملنسار، دوست آشنا اور قوم کی تحریکوں میں شریک
رہتے۔ طبیعت بڑی باغ و بہار پائی تھی۔ مگر مزاج میں اعتدال تھا۔
قلیل سرمایہ مالی کے باوجود ہستی میں بڑے کروفر سے رہتے اور بلند حوصلہ تھے

آپ کا وصال کچھ کم ہی عمر میں چند امراض میں مبتلا رہ کر ۹ ربیع الاول
روز سہ شنبہ [illegible] وقت دس بجے دن کو ہوا۔ جولائی کا مہینہ تھا لیکن بارش
نہ ہونے کے سبب سب لوگ پریشان تھے۔ وصال کے بعد ہی اتفاق سے

اتنی بارش ہوئی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ تجہیز و تکفین کے متعلق سب لوگ بہت متردد تھے۔ لیکن خدا کی شان دیکھئے کہ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد بارش بالکل ختم ہوگئی۔ فضا صاف ہوگئی ماحول خوش گوار ہوگیا اس لئے بہت اطمینان سے سب کام باطمینان تمام انجام پاگیا۔ توقع کے خلاف جنازے میں مجمع کثیر تھا۔ ہم ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ڈیہہ باغ خاندانی قبرستان میں جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تقریباً نو بجے شب ہم سب لوگ قبرستان سے واپس آئے۔ فاتحہ چہارم کے دن بھی پانی خوب برسا مگر وقت پر کھل گیا۔ فاتحہ چہارم گھر ہی پر ہوئی جس میں بھی کثرت سے لوگ شریک ہوئے آپ کے پورے حالات اور کلام پر تبصرہ ہم الگ لکھنے والے ہیں اس لئے بطور یادداشت یہ تحریر قلم بند کر دی۔

راقم

محمد منظور الرحمن اختر کاکوی

پسر اوسط حضرت مصنف مرحوم

۲ر نومبر ۱۹۵۹ء مطابق ۲۹ ربیع الآخر

روز دوشنبہ ۷۹ھ بہ مقام فریزر روڈ

پٹنہ بہ مکان اخی محترم سید شاہ ولی الرحمن ولی کاکوی

حمد کاکوی

سید شاہ غفور الرحمن نام۔ حمد تخلص قصبہ کاکو ضلع گیا کے معزز اور ذی علم شخصیت تھے تغزل سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا۔ وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے۔ حضرت حمد کی استدعا پر حضرت وحید الہ آبادی دو بار تشریف لائے تھے۔ آپ کا کلیات جس میں غزلیں اور قومی نظمیں وغیرہ ملا کر دس ہزار اشعار ہیں ہنوز طبع نہیں ہوا ہے۔ اور جناب قاضی عبدالودود محقق بہار کے بھائی قاضی سعید صاحب عظیم آبادی کے پاس محفوظ ہے۔ نیز آپ نے تاریخ کاکو بھی پانچ حصوں میں لکھی ہے جو وہ بھی قلمی حالت میں ہے۔ آپ کی اولاد میں سید شاہ وصی الرحمن وصی مرحوم' سید شاہ منظور الرحمن اختر کاکوی اور سید شاہ عطاء الرحمن عطا اور احفاد (پوتے) میں سید شاہ محمود الرحمن بن سید شاہ منظور الرحمن اختر کاکوی اور سید شاہ رشید الرحمن اور ضد بن سید شاہ عطاء الرحمن عطا کاکوی نے شعری دنیا میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ اور جناب حمید کے ساتھ وکی اور ارشد جنت الفردوس میں حمد و ثنا کی تسبیح میں مزمزمہ سنج ہو رہے ہیں اور بقیہ حضرات جذبہ قومی و ملی سے سرشار ہو کر شعر و ادب اور علم و فن کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حضرت حمد کے اردو کلام کے سلسلے میں راقم الحروف کو حرف "حجاب نامہ" کی ایک مطبوعہ کاپی آپ کی نبیرہ سید شاہ محمود الرحمن (پرویز) سے ملی ہے جو ۳۲ صفحات پر حاوی ہے۔ "مسلم شعرا کے بہار حصہ اول۔ مصنفہ سید احمد اللہ ندوی۔ کراچی)

ضمیمہ

۱۹۱۸ء میں ایک ذی علم اور صاحب فہم انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے سفیر بن کر ہندوستان کے طول وعرض میں سفر کرتے ہوئے کاکو پہنچے۔ ان کا نام حاجی منظہر علی انصاری تھا یہ شاعر بھی تھے اور علم دوست بھی۔ چودہ سال تک یہ روزنامچہ لکھتے رہے اور اپنے سفر کے حالات اور مختلف مقامات کے آثار علمی و ثقافتی کا جائزہ قلمبند کرتے رہے۔ یہ سفرنامہ کی شکل میں " بہ نام سفرنامہ منظہری" منظہر علی صاحب کے بھائی محمد حلیم الغفاری نے بھائی کے انتقال کے بعد مرتب کر کے شائع کر دیا۔ منظہر علی صاحب مذکور کاکو آئے یہاں کے لوگوں سے ملے۔ راقم الحروف (مرتب کتاب آثار کاکو) اس وقت ۱۳، ۱۴ سال کا تھا۔ چند سال کی وہ صحبتیں اب تک یاد ہیں۔ منظہر صاحب شاعر بھی تھے۔ خوب خوب کلام سناتے بھی رہے اور جناب والد ماجد حمد کاکوی سے کلام سنتے رہے۔ انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ کاکو میں بنائی گئی۔ اجتماعی فنڈ سے رقم ادا کی گئی اور انجمن کی ساری مطبوعات دکن سے آگئیں، اور گویا ایک کتب خانہ کی بنیاد پڑ گئی۔

مناسب سمجھا گیا کہ کاکو کے متعلق جو سفرنامہ میں اندراج ہے اس کو ضمیمہ کے طور پر شائع کر دیا جائے تاکہ یادگار رہے۔ چند مسامحات بھی تھے ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

[ع۔ ک۔ مرتب]

کاکو۔ ایک جائزہ

۱۵ اکتوبر بہ سواری ٹیکسی کاکو میں وارد اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں فروکش ہوا۔ یہ موضع مسلمانوں کی قدیم بستی ہے۔ قریب ڈیڑھ سو گھر شرفاء یہاں ہیں جو یہاں کی زمینداری میں حصہ دار بھی ہیں۔

عہد حکومت اسلامی میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ یہاں تشریف لائے ان کا نام شاہ شہاب الدین عرف پیر جگجوتؒ ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے اس سرزمین پر آکر اشاعت اسلام اور روحانیت کی ضوافشانی فرمائی۔ اور یہیں قیام کیا۔ اس بستی میں آپ کا مزار ہے[۱] عمارتیں کچھ خاص خوبی کی نہیں ہیں۔ نہ سب قدیم ہیں۔ عیدگاہ اور مزار کے دروازے کا پھاٹک یہ دو عمارتیں کہی جاتی ہیں۔

---

[۱] مولف سفرنامہ کو مغالطہ ہوا۔ حضرت پیر شہاب الدین کا لقب پیر جگجوت ہے۔ پیر جگجو نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ خود کاکو نہیں آئے اور نہ ان کا مزار یہاں ہے۔ ان کا قیام پٹنہ کے متصل ایک مقام جٹھلی لبِ دریائے گنگا رہا اور وہیں مزار ہے۔ آپ کی صاحبزادی البتہ کاکو تشریف لائیں جن کا نام بی ہدیہ عرف بی بی کمال ہے اور انہیں کا مزار کاکو میں ہے۔ (ع۔ ک۔ مرتب)

حضرت پیر بیگ جیو کی لڑکی بی بی ہدیہ عرف بی بی کمال یہیں رہیں اور یہ مخدوم شیخ شرف الدین بہاری کی خالہ تھیں۔ بی بی کمال کا خاندان یہاں سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ اور اس گھرانے کے علاوہ دیگر بزرگوں کے یادگار بھی یہاں البتہ ہیں اور وہ سب کچھ نہ کچھ زمینداری رکھتے ہیں۔ کاکو میں بزرگان طریقت کے بہت سے مزارات ہیں مشہور ترین مزاروں کا ذکر کرتا ہوں۔ (۱) مخدوم شیخ شمس الدین دریائی ان کا روضہ بستی کے مشرقی گوشہ پر لب آہر مزار ہے۔

عرف عام میں شمس دریا کہلاتا ہے آپ کی اولاد میں مولوی یوسف حسین صاحب اور مولوی عبد العزیز صاحب ہیں۔ خاندان میں کچھ نئی تعلیم کا رواج چلا ہے۔

اور معاش مختصر ہے مولوی عبد العزیز صاحب کے ایک بیٹے مولوی عبد الودود بی اے بی ال۔ گیا میں وکیل ہیں۔ اور ایک صاحب زادے امپیریل سروس میں ہیں مولوی محمود (۲) حضرت سید سلیمان سیاح۔ ان کی اولاد نہیں ہے۔ ان کا مزار بی بی کمال کے مزار کے پاس ایک ٹیلہ پر ہے۔

(۳) شاہ رکن الدین بستی کے مشرقی میدان دوسرے گوشے پر مزار ہے آپ کی اولاد میں شاہ فرید صاحب ہیں اور مولانا عبد الغنی صاحب۔ معاش۔ حالت۔ معمولی ہے۔ (میرا اطلاع غلط)

(۴) مخدوم مولانا سلیمان لنگر زمین۔ مشرقی گوشے میں مزار ہے۔ ان کی اولاد داناپور پٹنہ شیخپورہ۔ موضع تالاب۔ اور بہار وغیرہ میں پھیلی ہے۔ یہ بزرگ امام تاج فقیہ کے پوتے ہیں۔

(۵) سید شاہ علی اکبر صاحب دانشمند، قصبہ کاکو سے پورب میں ایٹا (ریھیا) نامی مقام پر مزار ہے۔ اولاد و حالات نا پتہ ہیں۔ یہ اطلاع بھی غلط ہے۔

(۶) سید شاہ قیام الدین بستی کے پورب بواری بگہہ (تیواری بگہہ) میں مزار ہے۔ اولاد نہیں اور نہ حالات کا پتہ چلتا ہے۔

(۷) حاجی سید سلیمان شاہ۔ ان کا پتہ نہیں ملا۔

(۸) شاہ علی اکبر۔ بڑہرا میں مزار ہے۔ اولاد کا پتہ نہیں چلا

(۹) شاہ اوزائی۔ مزار موجود مگر اولاد مفقود ہے۔

(۱۰) شاہ مبارک۔ ایک کھیت میں مزار ہے۔ اولاد نہیں ہے۔

(۱۱) سید ابراہیم۔ ان کی اولاد میں سید محمد یونس صاحب موجود ہیں معاش معمولی ہے۔

(۱۲) شاہ محمد شاہ۔ آپ کے پرپوتے سید شاہ غزالی صاحب موجود ہیں حالت معمولی ہے۔

کاکو میں مختلف شرفا کے خاندان موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر معمولی معاش پر بسر کر رہے ہیں۔ سب کی زندگی چھوٹے اور معمولی زمینداروں کی سی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہاں مڈل ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول قائم ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے انگریزی تعلیم کا چرچا پھیل چلا ہے مگر ابھی ابتدائی منزل ہے۔ جو طلبا پڑھتے ہیں۔

شیخ موسیٰ رضا صاحب کاکو کے خاندان قضات میں سے ہیں عالم اور شہسرام میں ملازم ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ تاج محمد صاحب چھ سو سال ہوئے آئے تھے۔ اس زمانہ سے یہ خاندان یہاں آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ انصاری ہیں مگر جد اعلیٰ کا نام نہیں بتا سکتے۔ صرف نوشت کا نسبت نامہ معلوم ہے۔

سید شاہ غفور الرحمٰن صاحب رئیس بہترین معاش اور اچھی طبیعت کے آدمی ہیں۔ شاعر اور اہل قلم ہیں۔ ایک کتاب "آثار کاکو" نامی ترتیب دی ہے۔ شرفائے کاکو کی خاندانی تاریخ ہے۔ اور ان کو زندگی بخشنے کا ذریعہ مگر ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔ آپ سید عبدالرحمٰن رضوی کی اولاد ہیں آپ کے مورث اعلیٰ شاہ تاج الدین سیبود تھا۔ ضلع پٹنہ آ کر مقیم ہوئے تھے۔

آپ کے تین لڑکے ہیں۔ بڑے لڑکے ولی الرحمٰن۔ ایف اے۔ میں پڑھتے ہیں۔ اور دو باقی منظور الرحمٰن و عطا الرحمٰن ابھی انگریزی پڑھتے ہیں۔ آپ خواجہ عبدالقدوس محمد اسلم

ضمیمہ

اقتباس از تاریخ مگدھ مصنفہ مولوی فصیح الدین بلخی

شائع کردہ انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۲۴ء

صفحہ ۹۵-۹۹

بہار میں مسلمانوں کی آمد

بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن بختیار (ف ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء) سے پہلے مسلمانوں کے بہار میں قدم جمانے شروع کر دیئے تھے۔ تاریخ سالار مسعود غازی (۲۰ ہجری) سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کے انتقال (۴۲۲ھ / ۱۰۳۰ء) سے دو ایک سال پہلے اسکا ایک لشکر اس کے ایک بھانجے سالار مسعود غازی کے تحت ہندوستان آیا۔ اس نے مشرقی علاقوں پر چڑھائی کی۔ اکثر راجاؤں نے متحد ہو کر مقابلہ کیا لیکن ان میں بعض ایسے تھے جو پہلے سے سلطان محمود سے ربط رکھتے تھے۔

بہرحال مسعود نے اکثر راجاؤں کو شکست دے کر ان کی متحدہ طاقت کا استیصال کیا اور بالآخر بہرائچ میں شہید ہوا۔ سالار مسعود کا بنارس تک آنا صریح طور پر مذکور ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمام اطراف میں کم تر ہی کوئی مقام ہوگا جہاں ان سپاہیوں نے جنگ نہ کی ہو۔ اس گروہ کے پس ماندہ افراد مختلف اطراف میں منتشر ہو کر رہ گئے۔

جن جن مقامات پر ان لشکریوں نے جنگ کی اور شہید ہوئے وہاں گنج شہیداں کے نام سے وہ مقامات مشہور ہیں، کڑا مانک پور، غازی پور، سیوان (بہار) کے علاوہ خاص قصبہ منیر میں بھی ایسی جگہ موجود ہے۔

جہاں اس واقعہ کی یادگار میں سالانہ میلہ لگا کرتا ہے جو غازی میاں کے میلے کے نام سے مشہور رہے ہے۔

منیر شریف کے مخدوم زادوں کے سفینوں سے پایا جاتا ہے کہ ۵۷۶ھ (۱۱۸۰ء) میں حضرت تاج فقیہ اور قطب سالار نے راجا منیر کو شکست دے کر منیر پر قبضہ کیا قطب سالار کا مزار منیر سے دو میل پورب موضع مہدانواں میں مسجد کے میدان میں واقع ہے۔

منیر کے فتح کی تاریخ یہ ہے :-

یافت چوں بر راجا منیر ظفر

داد امام دیں جہاں نے راکوی

ہست منقول از بزرگان سلف

سال آں دین محمد شد قوی

---

۵۷۶ ہجری

ان سفینوں کے رو سے حضرت تاج فقیہ اور سالار کے آنے سے پہلے ایک مسلمان مومن عارف نامی منیر میں رہتا تھا۔ اس زمانے میں مومن عارف یا کسی مسلمان کا باشندۂ منیر ہونا ممکن ہو سکتا ہے کہ مسعود غازی کے ساتھیوں میں سے کسی نے منیر آ کر سکونت اختیار کر لی تھی اور اس کی نسل میں مومن عارف نامی نقیب اور قطب سالار کا باشندہ ہو۔

منیر کے رہنے والے ایک برہمن نے ایک دعوے کے ثبوت میں ایک تانبے کی تختی عدالت میں پیش کی جس کے رو سے قنوج کے راجا نے ایک موضع منیر کے علاقہ میں اس

اس کو عطا کیا تھا۔

اس لوح پر جو سنہ درج ہے حساب کے رو سے ۱۱۲۶ سنہ عیسوی کے مطابق ہوتا ہے۔ (۵۲۰ھ) اور یہ درج ہے کہ "اس حکم کے مطابق تمام مطالبات مع مال گذاری، تجارتی محصول اور ترکوں کا محصول جو تا حال تم ادا کرتے آئے ہو ادا کرنا۔"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۲۶ء (۵۲۰ھ) کے قبل بھی ترک لوگ علاقہ منیر میں مال گذاری یا محصول وصول کرتے تھے۔ اور یہ زمانہ محمد بن بختیار خلجی کی فتح سے ۷۶ سال قبل کا ہے۔

۵۷۶ھ میں حضرت تاج فقیہ کا منیر فتح کرنا تاریخی طور پر یوں بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت تاج فقیہ حضرت مخدوم یحییٰ منیری کے دادا تھے۔ اور مخدوم شرف یحییٰ منیری (بہار شریف) فرزند تھے۔ مخدوم شرف الدین کی پیدائش سنہ ۶۶۱ھ میں ہوئی اس لئے ان کے اوپر تین پشتوں کے لئے پچاس برس کی مدت قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔

پروفیسر اسلم عظیم آبادی

کاکو کی راتیں

جھیل کا منظر شب

ہے جو یہ کاکو نیرنگ ہستی — ظالم کی دیکھو یہ شوخ دستی
آغوش میں ہے بستی کی بستی — منھ پر تبسم جالوں میں مستی

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اف کیف بر دوش راتیں

فارغ ہوئیں جب گاؤں کی پریاں — پہروں نہا دھو کر نیم عریاں
آیا نہانے مہرِ درخشاں — اک غوطے میں تھا آنکھوں سے پنہاں

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اف کیف بر دوش راتیں

ہے فرش زریں میدان طفلاں — کرنوں سے کھیلا موجوں نے چوگاں
ابلق بطوں کی صف پا بجولاں — گھر کو چلی ہے شاداں و فرحاں

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اف کیف بر دوش راتیں

مغرب میں پانی وہ ارغوانی — مشرق پہ بکھرنا چاندی کا پانی
وہ دھان ساحل پہ دھانی پودھا — کیا دلکش ہیں شامیں سہانی

شامیں سہانی خاموش راتیں
کاکو کی اف کیف بردوش راتیں

چھلکا قمر نے قصر فلک سے — چمکی وہ برق فانوس بھک سے
نور سحر ہے جس کی چمک سے — پیدا تجلی ہے خشت تک سے

رشک صبحی ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

پانی ہیں ہموار، ساکن، منوّر — گویا بچھی ہے چاندی کی چادر
ہے عکس مہ آب پر نور گستر — اک چاند نیچے اک چاند اوپر

حیرت فزا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

شفاف چادر کیسی تنی ہے — فرش زمیں سے نیکر بنی ہے
یہ جھیل کیا اک دشت ایمنی ہے — ہے موجزن مے یا چاندنی ہے

مستی فزا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

ایسے سکوں سے دل کو سکوں ہے — حرکت سے پیدا شور جنوں ہے
لہروں میں یارب کیسا فسوں ہے — جو چاند بیتاب سیمیں ستوں ہے

کیا دلربا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اٹھی ہوا کچھ اب ہلکی ہلکی — لہر دل سے چادر ہے سمٹی سمٹی
وہ ابھری پانی سے ایک ماہی — لے لیں بلائیں رہ مہ جبیں کی
کیا دلکشا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اپنی ہلالی کشتی ہے جاری — یا چاندنی کی چرخ پر ہے سواری
یاران ہمرنگ کی ہمکناری — پر ساغر مہ بہ یہ بادہ خواری
کیا کیف زا ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانے کیا ہیں کاکو کی راتیں

اک ماہ سیما کا روئے روشن — آب بلوریں پر عکس افگن
ہے چار چاند اس کا یعنی خرمن — کیونکر نہ چھوٹے تمکیں کا دامن
صبر آزما ہیں کاکو کی راتیں
کیا جانیں کیا ہیں کاکو کی راتیں

ہندستان کے آثار قدیمہ کا معائنہ

۸۱ ـــــ ۱۸۸۰ء

میجر جنرل اے کننگھم سی۔ ایس۔ آئی۔ سی آئی ای

جلد ۱۶ ک ـــ صفحہ ۳۶

کاکو یا حسین پور کاکو

کاکو کا قدیم قصبہ جہان آباد سے پانچ میل دکھن واقع ہے، اور پٹنہ اور گیا کے تقریباً نصف مسافت پر ہے۔ دکھن پچھم کی سمت ایک بڑی جھیل ہے جس کو پیری ہاس (پوکھر) کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ قریب نصف میل مشرق سے مغرب تک ـــ اور پورب سے پچھم تک ۷۰۰ فٹ ہوگا۔ پورب جانب پانی کا ایک خزانہ ہے جو کنہر کہلاتا ہے۔ اس خزانہ آب سے ارد گرد کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو رانی کیکئی نے بنوایا تھا۔ دکھن پچھم کونے پر تین بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔ جن کو گڑھ کہا جاتا ہے۔ ان کو اینٹیں نکالنے کی خاطر اکثر کھودا گیا ہے۔ مگر تو بھی پختہ بڑی بڑی اینٹوں سے بنی دیواریں اب تک پائی جاتی ہیں۔ اینٹوں کی ناپ ۱۴ انچ لمبی۔ ۱۰ انچ چوڑی اور ۳ انچ موٹی ہیں۔

میں نے چند کمرے بھی بنے دیکھے، مگر طرز تعمیر کا پتا نہ چل سکا۔ یہ ٹیلے خود ایک مربع کی شکل کے ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ بودھ مذہب کی عبادت گاہ ہوگی۔ ایک مورتی کا نشان بھی ملا جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مورتی بودھ کی ہے۔ جس کے سامنے دو ملازمین کھڑے ہیں۔ اس پر یہ عبارت کندہ نظر آئی جو تقریباً نویں یا دسویں صدی عیسوی کی ہوگی:۔

دادا دھرمن وانیجا سری راما ناگا

مدھوسدھن ماتا پیتم سسرا سانا.....گو؟

(یعنی یہ ایک مقدس تحفہ ہے بنیا سری راما ناگا پسر مدھوسدن کا برائے یادگار ماں باپ اور سسر.....)

یہ پہلا اتفاق ہے کہ میں نے کسی ہندستانی کے بارے میں سنا ہے کہ اسے اپنے سسر کی یاد آئی ہو کیوں کہ ہندستان میں بیوی کا باپ ایک عذاب سمجھا جاتا ہے۔ اور سسر ایک گالی کے مترادف ہے۔

بستی کے بیچ میں بھی مجھے چند قدیم آثار اور ٹوٹے پھوٹے ستون ملے جو عہد گپتا کے انداز کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دراصل کسی مسجد کے چار ستون تھے۔ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے مگر اندازہ ہے کہ یہ کسی ہندو عمارت کے رہے ہوں گے۔

چند مورتیاں بھی ملیں جو پہچانی جا سکیں مثلاً

(۱) نوا گرہا کے ایک پتھر کا ٹکڑا۔

(۲) "ٹوٹا ہوا سریا" اپنے سات گھوڑوں کے ساتھ۔

(۳) مہادیو کے تین لنگم (۴) ہار اگوڑی کے چھوٹے مجموعے

(۵) وشنو کی ایک چھوٹی مورت۔

(۶) چار پائے والا ایک پتھر کا اسٹول

جھیل کے اتر طرف مسلمانوں کی ایک درگاہ ہے۔ جو بی بی کمالو کا روضہ ہے۔ یہ ایک بزرگ کی صاحبزادی ہیں جن کا مزار پٹنہ کے قریب جھٹلی میں گنگا کنارے واقع ہے۔ ان کی ہمشیرہ کے شوہر کا مزار منیر میں ہے۔ ان کے ہمشیرزادے ایک مخدوم ہیں جن کا مزار بہار میں ہے۔۔۔۔ یہ درگاہ اینٹ کی بنی ہوئی ایک مسجد اور ڈھکے ہوئے مزار پر مشتمل ہے۔ ایک بلند دروازہ ہے جس پر کتبہ ہے۔ ایک جگہ احمد حسین کا نام ہے جو شاید یہاں کا گورنر تھا۔ ایک جگہ سنہ درج ہے جو ۹۶۰ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ۹۶۰ بھی۔

درگاہ کے صحن میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جس پر عبارت ہے کہ جو مسجد بناتا ہے اس کے لئے خدا جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ ایک دوسری سطر میں شاہ محمد کا نام ہے جو غالباً بنگال کا جلال الدین محمد ہے۔ اگر ایسا ہے تو مسجد اور روضہ بی بی کمال کی عمارت اس بادشاہ کے عہد میں بنی جو ۱۴۱۴ سے ۱۴۳۸ کے بموجب ہے۔ یہ سنہ مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے روضہ کی عمارت کے ہم زمانہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بی بی کمالو راجہ کنگ (ایک لودھ مہاراجا) کے عہد حکومت میں یہاں آئیں۔ اس راجا کی بیوی کا نام رانی ہنس تھا۔ راجا نے جو ہے پکا کر بی بی کمال کے پاس بھیجا جو بی کمال کے تصرف

سے وہ چوہے زندہ ہو گئے، اور بی بی کمال کی بد دعا سے کاکو بستی تہ و بالا ہو گئی، اور راجا تہ خاک ہو گیا۔

ایک دوسرا واقعہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت بی بی کمال کے شوہر کی خواہش ہوئی کہ کاکو چھوڑ کر وہ اپنے آبائی مقام میں چلے جائیں۔ وہ یہاں سے روانہ ہوئے راستہ میں نیند آ گئی صبح ہوئی تو دیکھا کہ کاکو ہی میں ہیں۔ کئی بار ایسا اتفاق ہوا۔ یہ حضرت بی بی کی کرامت کہی جاتی ہے۔ آپ کے شوہر کا نام معلوم نہیں۔

حضرت بی بی کمال (نعوذ باللہ) یا تو لقیف حواس یا ختہ تھیں یا ولیہ کامل۔ یہ کہاوت ان کے متعلق مشہور ہو گئی ہے کہ۔

سارا کاکو جل گیا   بی بی کمال سوئی رہیں

آپ کی روح یہاں اثر افزا ہے۔ ہندو مسلمان ہر مقام کے لوگ آپ کی خوشنودی کے لئے آتے ہیں۔ آسیب زدہ اور اسی قسم کے لوگ اکثر یہاں چلہ کش ہوئے ہیں۔ اور ۲۰ سے ۴۰ روز تک یہاں قیام کرتے ہیں۔

۴ دسمبر ۱۸۸۰ء کو یہاں تقریباً ۲۰ ایسے لوگ تھے جو مختلف مقامات سے اپنے مصائب دور کرنے کے لئے موجود تھے، انہی میں ایک لڑکی کو دیکھا جو آسیب زدہ تھی۔ وہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان کی بیٹی تھی۔ ان کو حضرت بی بی کے روحانی فیض کا پورا یقین تھا۔

پھر ہر دن میں کئی بار زائرین تیل مالش کرتے ہیں جس سے

عبارت دھندلی ہو گئی ہے۔

اس قصبہ کے چار تقسیم شدہ حصے اب تک نامزد ہیں۔

(۱) کمال پور (۲) حسین پور (۳) فریدن پور (۴) جلال پور

پہلا یقیناً بی بی کمال کے نام پر ہے۔ دوسرا احمد حسین کے نام پر، تیسرا شاید فریدالدین شیر شاہ کے نام اور چوتھا جلال الدین اسلام شاہ پسر شیر شاہ کے نام جو ۹۶۰ھ تک حکمراں رہا۔

[نوٹ:- کننگھم کی رپورٹ سے صاف ظاہر ہے کہ سارے بیانات محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ بچے کھچے جو آثار ان کو ملے انپر قیاس آرائیاں کی ہیں اور امکانات کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ اور یہ بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے۔ اتنا بھی جو کیا وہ قابل صد ستائش ہے۔ ان لوگوں کو جتنی کد ہملوگوں کے اسلاف کے آثار قدیمہ سے رہی خود ہم لوگوں کو نہ رہی۔ یہ رپورٹ حضرت بی بی کمال کے زمانے سے تقریباً ۵۰۰ سال بعد کی ہے۔ اس عرصہ دراز کی نہ کوئی تاریخ مستند ملتی ہے اور نہ کوئی تحریری ثبوت۔ حضرت بی بی کمال کا نام عام لوگوں کی زبانوں پر بی بی کمالو رہا ہوگا یہی سن کر رپورٹ میں لکھا گیا۔ تالاب یا جھیل کے متعلق یہ خیال کہ اس کو رانی کیکئی نے بنوایا تھا محض افسانہ ہی افسانہ ہے۔ بی بی کمال کا ورود کاکو میں ایک بودھ مذہب کے راجا کے زمانے میں ہونا وہی کہہ سکتا ہے جو بودھ مذہب کے عروج و زوال کے زمانے سے ناواقف ہے۔ بودھ مذہب حضرت بی بی کمال کے عہد سے نہ جانے کتنے سو سال پہلے معدوم ہو چکا تھا۔ کنک راجا کی حکمرانی کا کیا سوال کتبے میں جو سنہ درج ہے اس سے بھی رپورٹ میں غلطی ہوئی ہے۔ چاروں مواضع کا نام بھی جن لوگوں کے نام سے وابستہ کئے گئے ہیں وہ بھی ناقابل قبول ہیں] مرتب

اقتباس رپورٹ جائزہ آثار قدیمہ صوبہ بنگال

۱۸۷۲ء - ۱۸۷۳ء

از

جے۔ ڈی بگلر۔ جلد ۸ صفحہ ۶۴، ۶۵

"حسین پور کاکو"

یہ نسبتاً ایک بڑی غیر مستقل بستی ہے جس کے جھیل میں جمنا ندی کی ایک شاخ آکر مل گئی ہے۔ آس پاس کی زمین برسات میں سیلاب زدہ ہو جاتی ہے۔ نومبر کے مہینے میں مجھے اس بستی میں داخلہ کے لئے ایک معتد بہ حصہ آبی سے گزرنا پڑا۔ یہاں چند دلچسپ آثار قدیمہ ہیں۔ ایک تو درگاہ ہے دوسرے چند مورتیاں ملتی ہیں ــــــ درگاہ قدیم اینٹوں کی بنی ہوئی انحطاطی دور میں ہے۔ یہ جھیل یا تالاب کے ایک مرتفع حصہ پر واقع ہے۔ صحن میں پتھروں کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر سادہ اور بعض میں نقوش ہیں۔ جو بہ ظاہر کسی ہندو عمارت کی ہیں۔ اندرون حلقہ میں مزار ہے جہاں مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

باہر کے دروازہ پر ایک کتبہ ہے جو پانچ خانوں میں منقسم ہے۔ اور اس پر عربی یا فارسی کی عبارت کندہ ہے۔ یہ عبارت اب امتداد زمانہ سے منہدم ہو گئی ہے۔ دروازہ سے متصل جو دیوار ہے اسمیں ایک منارہ ہے جو بیگم پور (پٹنہ) کی مسجد جیسے منارے کی ہم شکل ہے عمارت باوجود مرمت کے خستہ حالت میں ہے۔ اندر حلقہ زمین میں ایک پتھر کا سیاہ ٹکڑا ہے جس پر چار حصوں کے تین سطروں میں عبارت کندہ ہے۔ یہ پتھر گرد وغبار اور دیگر اشیا اور تیل سے میلا ہو گیا ہے۔ گرچہ مجھے اس کو کھرچ کر پڑھنے کی اجازت ملی مگر یہ خوف لگا رہا کہ کہیں صاحب مزار کی خفگی کا باعث نہ ہو

درگاہ میں ایک مقامی خدا رسیدہ کا مزار ہے جن کی روایتاً دہلی سے آمد ہوئی۔ اور یہاں ایک عرصہ سے قیام تھا۔ وہ اپنے وطن واپس جانا چاہتے تھے مگر اپنی اہلیہ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ تنہا روانہ ہوئے رات ہو گئی تو سو گئے جاگے تو خود کو کاکو ہی میں پایا، اسی طرح کئی بار ایسا ہوا اس کے بعد انہوں نے ارادہ جانے کا ترک کر دیا، اور یہیں اپنی اہلیہ کے ساتھ مستقل رہنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ ان کی اہلیہ کی کرامت سمجھی جاتی ہے۔ وہ ایسی ولیہ کامل سمجھی جاتی تھیں کہ انکے وضو کا پانی جو پیتا تو ہر قسم کا مرض دور ہو جاتا تھا۔

قریب ہی ایک درخت کے پاس بہت سے ٹوٹے پھوٹے مجسمے اور مورتیاں نظر پڑیں جو بہت زمانہ قدیم کی نہ تھیں۔ باقی ماندہ ٹکڑوں سے معلوم ہوا کہ یہ سب "گنے کا"، "لکشمی چند لنگم"، "نواگراہا"، "ہارا گوری" وغیرہ کے ہیں۔

حسین پور کاکو ایک بلند ٹیلے پر واقع ہے۔

نوٹ:- مذکورہ بالا رپورٹ مسٹر کننگھم کی [illegible]

یہ بھی محض سنی سنائی باتوں اور روایتوں پر مشتمل ہے۔ جھیل میں جو ندی کی ایک شاخ آکر ملی ہے اس کا نام جمنا بتایا گیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ دوآبہ والی جمنا ہے۔ یہ جمنا محض چھوٹی سی نمیا ہے جو کاکو سے دو میل دور واقع ہے۔ کاکو میں جو درگاہ ہے اس کے متعلق کچھ باتیں بیان ہوئی ہیں مگر معائنہ کرنیوالے کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ مزار کس کا ہے۔ یہ بیان کہ صاحب مزار دہلی سے آئے غلط ہے اور یہ بیان بھی کہ وہ اپنی اہلیہ سے الگ ہو کر اپنے وطن مالوف جانا چاہتے تھے اور اس کے ضمن میں جو حکایت بیان کی گئی ہے وہ نہ کسی تحریر سے ثابت ہے اور نہ دستاویز سے معلوم نہیں یہ روایت کب اور کس نے ایجاد کی ۔ مسٹر بگلر نے محض سرسری جائزہ لیا ہے۔ اس کے برخلاف جب مسٹر کننگھم نے بستی کا جائزہ لیا تو قدرے تفصیل سے اپنے بیانات قلم بند کئے۔ اس نے کتابہ بھی پڑھنے کی کوشش کی اور سیاہ پتھر پر جو عبارت کندہ تھی اس کا بھی ذکر کیا۔ یہی نہیں بلکہ ان تحریروں کو اس نے اپنے رپورٹ میں بھی شامل کیا ہے۔ جو مطبوعہ رپورٹ میں منسلک ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کاکو کے متعلق اتنی باتیں بھی جو نسبتاً بہت قدیم نہیں پھر بھی کارآمد اور غنیمت ہیں۔

ہم نے خود اپنے اسلاف کے کارناموں اور حالات کو بھلا دیا۔ غیروں کا تو اتنا بھی احسان ہے کہ انھوں نے اپنی دانست میں جہاں تک ہو سکا ہمارے اسلاف کے کارناموں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ خود ہم نے اپنا فرض کہاں ادا کیا۔ [مرتب]

خاتمۂ کتاب

از ـــــــــ مصنف

یہ کتاب آغاز ماہ محرم ۱۳۲۰ھ سے معرض تحریر میں آئی۔ اور ۱۳۲۵ھ میں بعہد سلطنت ملک معظم ایڈورڈ ہفتم قیصر ہند انجام کو پہنچی۔ اس کا تاریخی نام "تذکرہ" رکھا گیا جس سے ۱۳۲۵ھ مستخرج ہوتے ہیں۔ چند وجوہ اور موانع کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوئی۔ اس عرصے میں مزید حالات کی دریافت اور معلومات کی بنا پر پوری کتاب میں ترمیم اور اضافے از سر نو کرنے پڑے۔ پھر بھی بہت سے گوشے تشنہ تکمیل رہ گئے۔ اور اسی لیت ولعل میں برسوں گزر گئے۔ بحمد للہ کہ مجھ ناچیز کے قلم سے پھر یہ کتاب ۱۳۳۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اب اس کا تاریخی نام "آثار کاکوشریف" رکھا جس سے ۱۳۳۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ نیز ایک اور نام "ارمغان کاکو" بھی ہے جس سے سنہ مذکور برآمد ہوتا ہے۔ تکمیل کے بعد اس کی اشاعت پھر بھی معرض تعویق میں پڑ گئی۔ مسودہ پڑا رہا اور دیمک کی نذر ہو گیا۔ ہمت پست ہو گئی مگر احباب کے اصرار نے پھر از سر نو اس کی تالیف پر مجبور کیا۔ بچے کھچے اوراق اور یادداشت کی بنا پر پھر دوبارہ یہ کتاب خدا کے فضل و کرم سے مرتب ہو گئی ابتدا میں یہ دلی خواہش تھی کہ حضرت استادی شاہ محمد اکبر رحمتہ اللہ علیہ کی نظر سے گزر کر زیور اصلاح سے مزین ہو جاتی۔ حضرت استادی کا

قیام ان دنوں زیادہ تر اکبر آباد (آگرہ) میں رہتا زیادہ ہوا کرہی جاکر یہ کام انجام پذیر ہو، مگر قدرت کو منظور نہ تھا۔ حضرت استادی دانا پور تشریف لائے اور بالاخر ۱۳۲۷ھ ۱۴ رجب المرجب کو آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ الغرض یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، اور حسرت دل کی دل ہی میں رہی۔ بقول استاد ؎

استاد تو بہشت میں ہیں اور ہم یہاں
اصلاح کون دے یہ زمیں آسماں پہ نہیں

دوستوں نے مشورہ دیا کہ کسی اور صاحب قلم کو یہ تکلیف دی جائے کہ اس پر نظر ثانی کریں۔ مگر دل اس پر راضی نہ ہوا اور اس شعر پر عمل ہوا کہ ؎ کہنہ جامۂ خویش آراستن
بہ از جامۂ عاریت خواستن

اب یہ کتاب جس میں نثر و نظم دونوں ہیں بلا اصلاح ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ ہرچند کہ میری تحریریں عیوب سے خالی نہیں، پھر بھی یہ التجا ہے کہ میری ناقابلیت مد نظر رکھتے ہوئے عیوب کو نظرانداز فرمائیں گے۔ بھول چوک خاصۂ انسانی ہے۔ بقول استاد علیہ الرحمتہ ؎

آدمی ہوں میری اصلیت ہے اکبر بھول چوک
ہے خطا میرے لئے میں ہوں خطا کے واسطے

نہ میں اہل زباں ہوں نہ اہل علم، نہ شاعر ہوں نہ اہل فن۔ یہ جذبات دل ہیں۔ جو جوش و ولولہ میں زبان قلم سے جاری ہو گئے ہیں۔

حالات وواقعات کی فراہمی میں حتی الوسع سخت محنت اور بلیغ کوشش کی گئی ہے۔ بزرگوں سے مل کر، ان کی زبانوں سے سن کر لوگوں سے بذریعہ تحریر دریافت کرکے، سقیبوں اور وثائق کے مطالعہ کے بعد مواد فراہم کیے گئے ہیں۔ اس ناچیز تصنیف کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ جو واقعات وحالات اسلاف کے دریافت ہو سکے اور لبتی کی روایات جو آج زبانوں پر ہیں وہ محفوظ ہو جائیں اور آئندہ نسلوں کے لیے یادگار رہ جائیں۔ ان حالات و واقعات گذشتہ کو قلمبند کیا گیا تو پھر آئندہ لوگ اتنا بھی نہ جان سکیں گے۔ اور نہ کوئی بتانے والا ہوگا۔ اس کتاب کو تاریخی حیثیت سے جانچنا غلط ہوگا۔ اسی لیے اس کا پہلا نام "تذکرہ" ہی رکھا گیا ہے یعنی جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ برسبیل تذکرہ ہیں۔

مجھ ناچیز سے جس طرح ہو سکا ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اگر انہوں نے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تو ان کا احسان ہے ورنہ یہ کتاب جیسی ہے ظاہر ہے۔

اب یہ کتاب اپنے اخیر مرحلہ میں بتاریخ ۱۴ ماہ شوال ۱۳۵۴ھ بعہد سلطنت ملک معظم جارج پنجم قیصر ہند لالہ ٹھاکر لال ساکن حال موضع بھیکن پور ضلع گیا سے کتابت کرا کر بغرض اشاعت مرتب کر دی گئی ہے اور لفظ بہ لفظ اس کی صحت کر دی گئی ہے۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا تحریر کے بعد مصنف نے اصلی نسخہ پر اپنے دست خاص سے قطعہ تاریخ ختم کتاب بزبان فارسی ثبت کیا ہے جو

کا آخری شعر یہ ہے :۔

سال اتمامش رقم زد خامہ ام

یک ہزار و سہ صد و پنجاہ و چار

یہ پورا قطعہ عرض مرتب میں درج کر دیا گیا ہے۔ دیکھئے صـ ۱۳
مختلف وقتوں میں اس کتاب کا تاریخی نام مصنف نے خود تجویز کیا تھا مثلاً جب پہلے پہل یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں مرتب ہوئی تو اس کا نام تاریخی "تذکرہ" تجویز کیا گیا۔ پھر دوسری بار ۱۳۳۹ھ میں جب یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی تو اس کا تاریخی نام "ارمغان کاکو" اور آثار کاکو شریف" تجویز کیا گیا۔ پھر جب اس کی پوری کتابت ہو چکی تو مصنف نے قطعہ تاریخ تکمیل کتابت ۱۳۵۴ھ بہ صنعت صوری لکھ دیا۔ یعنی تاریخ بہ صنعت ابجدی نہیں بلکہ الفاظ میں جیسا کہ عرض مرتب میں عرض کیا گیا۔ مصنف کی خواہش اشاعت ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ تکمیل کے بعد بھی نصف صدی تک اس کتاب کی اشاعت معرض التوا میں پڑی رہی۔

گزشتہ تین سال ہوئے کہ اردو اکادمی بہار نے اس کی اشاعت میں امداد دینا منظور کیا۔ مرتب نے اس کی ترتیب کی ذمہ داری قبول کی اور خیال تھا کہ جلد اس کی ترتیب مکمل کر کے پریس کے حوالہ کیا جائے مگر گوناگوں مصروفیت کی بنا پر یہ کام وقت معینہ پر پورا نہ ہو سکا۔

مرتب نے اس کی اشاعت کی مدت کا اندازہ کر کے دو تاریخی نام تجویز

گئے تھے۔ یعنی "یہ تذکرہ کاگو ہے" اس سے ۱۹۰۷ء مستخرج ہوتا ہے دوسرا نام "تاریخ و آثار کاکو ہے" اس سے ۱۹۰۱ عیسوی مستخرج ہوتا ہے اب ۱۹۸۲ اختتام پر ہے۔ اس کی اشاعت میں بہار اردو اکادمی کی معاونت لائق صد شکر ہے۔ اس کے بغیر یہ اہم کام انجام پذیر نہ ہوتا۔ امید ہے کہ میری یہ سعی مشکور ہوگی۔

"مرتب"

از مرتب، عطا کاکوی

ضمیمہ

(حضرت حمد کاکوی کا فارسی کلام)

غدر جس کو جنگ آزادیٔ ہند کی پہلی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک ایسا عبوری دور تھا جب کہ پرانی تہذیب کا انحطاط شروع ہوا، اور نئی تہذیب کا آغاز۔ اس کے اثرات اچھے یا برے جو بھی ہوں اس سے بحث نہیں مگر یہ بات چھپی ڈھکی نہیں ہے کہ اس دور سے فارسی زبان و ادب کا ذوق آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ ایک زمانہ تھا کہ ہر پڑھے لکھے گھرانے میں فارسی کا رواج تھا۔ خط و کتابت فارسی میں۔ شعر و شاعری فارسی میں، اطبا کے نسخے تک فارسی میں۔ شادی کے رقعے اور تہنیت نامے فارسی میں غرض فارسی اوڑھنا بچھونا تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فارسی کا آفتاب اقبال غروب ہونے لگا۔ حضرت حمد کے ہمعصروں میں خود ان ہی کی طرح اردو میں اور دوسرے شعرا داد سخن دیتے تھے مگر گاہے ماہے فارسی میں بھی اشعار کہتے تھے۔ شاد، امداد امام اثر، فضل حق، آزاد وغیرہ بھی اردو کے ساتھ فارسی کے بھی شاعر تھے۔

حضرت حمد بھی یوں تو اردو کے صاحب دیوان شاعر، غزلیں، مثنوی مسدس اور قطعات لکھتے تھے، قومی نظمیں بھی، مگر فارسی میں بھی غزلیں اور خصوصاً قطعات تاریخ لکھے ہیں۔ فارسی کا ذوق شاعری ان کو جناب شاہ ولی اللہ مختار اور ان کے صاحبزادے مسٹر نور اللہ شاہ بیرسٹر کی صحبت سے ہوا۔

جناب مختار صاحب تھے تو ساکن مظفر پور کے اور اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو وہاں کے جامع العلوم کا بانی تھا۔ یہ شاعر تو نہ تھے مگر فارسی نثر بہت اچھی لکھتے تھے۔ حضرت حمد اور ان کے درمیان فارسی ہی میں خط و کتابت ہوتی تھی۔ یہ کاکوہی میں مستقل سکونت پذیر ہو گئے۔ وسیع و مرتفع بنگلہ بنوایا۔ حضرت حمد تعلقات دیرینہ کی بنا پر انہی کے ساتھ بنگلہ میں رہتے تھے۔ اور پھر ان کے انتقال کے بعد اس بنگلہ کو ان کے ورثا سے خرید لیا۔ ان کے بیٹے مسٹر نور اللہ شاہ سے بڑا ربط تھا۔ یہ فارسی کے بڑے دلدادہ اور اچھے شاعر تھے۔ خواجہ حافظ کے رنگ میں کہتے تھے۔ ایک مختصر مجموعہ بنام "با ساغر و مئے" چھپ چکا ہے۔ ایک اور بزرگ شاعر کاکو میں مولوی قادر رضا تھے۔ وہ فارسی و عربی زبان کے استاد تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کا کلام ضایع ہو گیا۔ صرف فارسی میں مکتوبات ابو العلا کا قطعہ تاریخ طبع لکھا جو کاکو پریس میں چھپا تھا۔

اس ماحول کے ساتھ خود حضرت حمد کے حقیقی ماموں زاد بھائی خان بہادر قاضی محمد فرزند احمد رئیس گیا بھی فارسی کا اچھا ذوق رکھتے تھے، اور سنجر ایرانی کے شاگرد تھے۔ سنجر ایرانی نے ایک قصیدہ فارسی میں بہ صنعت خاص لکھ کر حضرت حمد کاکوی کی نذر کیا تھا، اس پر حضرت نے دس روپے انعام دیئے تھے۔ حضرت حمد کاکوی اردو کلام تو جناب اکبر دانا پوری کو دکھاتے تھے مگر فارسی کلام پر ایک دو بار جناب عزیز لکھنوی سے بھی اصلاح لی ہے۔ (یہ عزیز دوسرے ہیں جوش کے استاد عزیز نہیں)

ریاض حسن خا[illegible]ں رئیس رسول پور (مظفر پور) بھی انہی کے شاگرد تھے۔

فارسی زبان اور کلام کے شائق تو اب گویا خال خال ہیں۔ اس کی امید نہیں کہ حضرت محمد کا فارسی کلام طبع ہو سکے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ ان کے فارسی کلام کا کچھ نمونہ بطور ضمیمہ ان کی یادگار تصنیف آثار کاکو میں مندرج کر دیا جائے۔ تاکہ یادگار رہے۔

کلام

اے کہ تو ہر لحظہ بنمائی مرا شانے دگر — چوں بپا شد در دلِ ما شوق و ارمانے دگر

اے دوست اگر آئی در کلبۂ احزانم — قربان بتو سازم جان و دل و ایمانم

سرنگوں شد در چمن سرو از قدِ رعنائی تو — شد خجل ماہ درخشاں از رخِ زیبائی تو

ایکہ والیل است وصفِ زلفِ عنبر سائے تو — آئینہ ما زاغ مدحِ نرگسِ شہلائے تو

توئی سرتاج ماو سرپناہے — بکن بر حالِ زارِ ما نگاہے

در تحیر نرگس است از نرگسِ شہلائے تو — ہر گل اندر باغ خنداں از رخِ زیبائے تو

بارہ آمد در حریمِ سینہ پیکانے دگر — میزبانی کن دلا از بہرِ مہمانے دگر

بعد سعدی خواجہ شیراز حافظ گفت شعر — کس ندیدہ بعد ازاں ہرگز غزل خوانے دگر

کرد سیراب محمد ز آبِ چشم
نخلِ امید ماندہ بے ثمرے

چہ گویم یا کی جانِ محمد
ز سر تا پا خدا شانِ محمد